

مَرِّمِ عَزِزِ



دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی جیسے کسی نے انگلی سے بجایا ہو۔ اس نے مندی مندی آنکھوں سے وال کلاک کو دیکھا اور برا سامنہ بنا کر ایک بار پھر کمرل منہ پر لے لیا۔ دھڑ دھڑ کی آواز پر اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔ اب دروازے کو بری طرح پیٹا جا رہا تھا۔ اس نے جھٹکے سے کمرل کو خود سے الگ کیا۔

”کیا تکلیف ہے؟“ اس نے ڈھار کر پوچھا۔

”باجی! اب اٹھ جائیں‘ تائی جی غصہ کر رہی ہیں۔“ جیسے کی آواز پر اس نے بے اختیار دانت پیسے جمائی روک کر انگڑائی لی۔

”باجی!“ اس کی خاموشی پر باہر سے پھر پکار پڑی تھی۔

”مگر نہیں گئی، خندہ ہوں۔ ایک سنڈے کے دن بھی

سونا نصیب نہیں ہوتا۔“ اس نے اونچی آواز میں جواب دیا اور بڑبڑاتے ہوئے بستر چھوڑ دیا۔ باتھ روم میں جانے سے پہلے اس نے دروازے کو دیکھا۔ جانتی تھی‘ تائی جی کی چمچی ابھی بھی باہر کھڑی ہوگی۔ اس کے دروازہ کھولتے ہی بڑے خوشگوار انداز میں اسے مسکراہٹ سے نوازا گیا۔ وہ کچھ دیر اسے گھورتی رہی پھر خود ہی گھورنے کا سلسلہ موقوف کر کے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ کیونکہ ان گھوریوں کا وہاں کوئی اثر ہونے والا نہیں تھا۔ تو لیے سے منہ صاف کرتے ہوئے وہ بڑے کمرے میں داخل ہوئی۔ ابو کو وہاں موجود دیکھ کر اس نے مسکرا کر سلام کیا۔

”آج بڑی جلدی اٹھ گئیں۔“ انہوں نے مسکراتے

ہوئے گھڑی کو دیکھا جو نو بج رہی تھی۔

مکمل ناول

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

"اٹھی نہیں ہوں" اٹھائی گئی ہوں۔ "وہ گیلے تو لیے کو دوسرے صوفے پر ڈال کر ان کے قریب بیٹھ گئی۔ "وہ جو امی نے جیبہ نامی جلاؤ میرے پیچھے لگایا ہوا ہے" اس کے ہوتے ہوئے آپ توقع رکھتے ہیں کہ میں سکون کا سانس لے سکوں گی۔ "وہ غصے سے بولی تب ہی کہیں سے جیبہ نمودار ہوئی۔

"میرا کیا قصور ہے" تائی جی نے کہا تھا۔

اس کی روئی صورت دیکھ کر اس نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ جیبہ کے پیچھے امی کا چہرہ دیکھ کر منبر بند کر لیا۔

"اے کیا کہتی ہو" مجھ سے بات کرو۔ تمہیں پتا نہیں اس کو بخار ہے پھر بھی وہ میرے ساتھ باہم میں لگی ہے۔ اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ جلدی اٹھ کر باہر کا ہاتھ بٹا دو۔ نو بجے تک بستر توڑتی رہتی ہو۔

"میرا بستر تو صحیح سلامت ہے۔" اس نے دھیمی آواز میں پاس بیٹھے ابو کو اطلاع پہنچائی۔

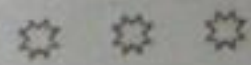
"باپ کے ساتھ کیا کھسر پھسر کر رہی ہو" مجھ سے بات کرو۔ "امی نے ماتھے پر بل ڈال کر ان دونوں باپ بیٹی کو گھورا۔

"اب اگر آپ نے مجھے ڈانٹ لیا ہو تو میں ناشتا کر لوں؟" وہ اٹھ کر کچن کی طرف بڑھی۔

"عیشہ پالک لے کر برآمدے میں آجانا۔"

"جی اچھا۔" وہ گنگناتے ہوئے مگ میں دودھ ڈالنے لگی۔

"یہ تولیہ یہاں کس نے رکھا۔ یا اللہ کیا کروں میں اس لڑکی کا۔" باہر سے آتی امی کی تیز آواز پر اس نے بے ساختہ زبان دانتوں تلے دبا کر اپنے سر پر ہاتھ مارا تھا۔



اس نے سر اٹھا کر حد نظر پھیلے نیلے آسمان کو دیکھا جہاں اکاؤ کا نظر آتے سفید بادل نیلے آسمان کی خوبصورتی کو بڑھا رہے تھے لیکن موسم کی خوشگوار بھی اس کی طبیعت کے ہر جھلک میں کوئی کمی نہیں تھی۔ اس کے سر جھکاتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے پانی کے بائیں کو چھوڑ دیا۔ بائیں سے نکلنے والی پانی کی دھار تیزی سے کچن کی کونوں سے گزرتی گئی۔

"عیشہ" ابو کے پکارنے پر وہ کمرے سے بھاڑتے

ہوئے کھڑی ہو گئی۔ اندر جانے سے پہلے غل بند کر کے پائپ سینٹا نہیں بھولی تھی۔

"کیا کر رہی ہو بیٹا؟"

"کچھ نہیں" بس گملوں میں پانی ڈال رہی تھی۔ آپ بور ہو رہے ہیں؟" اس نے سوتی ہوئی امی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ کچھ۔" ان کے انداز پر وہ مسکرا کر کھڑی ہو گئی۔

"اب کہاں جا رہی ہو؟"

"رات کے لیے کچھ بنانے اور آپ کے لیے چائے بھی لے آتی ہوں۔"

"اچھا سنو" وہاب کو بھی فون کر دینا۔ دودھ ہو گئے ہیں" آیا ہی نہیں۔"

وہ سر ہلا کر کچن میں آگئی۔

"وہاب کو فون کرتی ہے میری جوتی۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے پریش کر کا ڈھکن زور سے بند کیا۔ اسی وقت باہر بجتی ہوئی ٹیل پر اس کا غصہ مزید سوا ہو گیا۔ وہ جارحانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھی۔ سوراخ سے جھانکنے پر صرف بائیک نظر آئی تھی لیکن اس کے باوجود اس نے اس کے سوار کو پہچان لیا تھا۔ اس نے چہرے کے تاثرات کو مزید سنجیدہ کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا اور ایک نظر اس پر ڈال کر واپس مڑ گئی۔ چند لمحوں بعد مسکراتے ہوئے وہ چائے کے پانی میں مزید ایک کپ کا اضافہ کر رہی تھی۔ ساری بیزاری یک دم اڑن چھو ہو گئی تھی۔

جب وہ چائے لے کر اندر آئی تو منظور صاحب ہنس رہے تھے اور فرحت جو دوپہر سے جوڑوں کے درد سے نڈھال لیٹی تھیں اب ہشاش بشاش بیٹھی تھیں اور یہ یقیناً آنے والی ہستی کا کمال تھا۔ چائے رکھ کر وہ واپس کچن میں آگئی۔ جانتی تھی وہ ضرور پیچھے آئے گا۔ کچھ دیر بعد چائے کا کپ تھامے وہاب کو کچن میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے رخ موڑ کر اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"جیبہ نظر نہیں آرہی؟" اے مسلسل خاموش دیکھ کر وہاب نے پوچھا۔

"اے بخار تھا" سو رہی ہے۔"

"اسی لیے تم نے کچن کو رونق بخشی ہوئی ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "چاچو سمجھ رہے تھے کہ میں تمہارے فون

کرنے پر آیا ہوں۔"

"ہاں وہ ابو نے کہا تھا پر مجھے یاد نہیں رہا۔"

"یاد نہیں رہا۔" عیشہ کے لاپرواہ انداز پر وہ تلملا کر

بولا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔

اپنے پیچھے چھایا مسلسل سکوت محسوس کر کے وہ پلٹنے پر مجبور ہو گئی۔ وہ بڑی سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا تمہیں واقعی میری غیر موجودگی محسوس نہیں ہوئی؟" عیشہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں عیشہ!"

"جھگڑا تم نے شروع کیا تھا۔"

"لیکن بات کو طول تم نے دیا تھا۔" وہ دہر دہر بولا۔

"میں نے طول دیا تھا؟" عیشہ نے غصے سے اپنی

طرف اشارہ کیا۔ "دو دن سے نہ آکر تم بات کو بڑھا رہے

ہو۔"

"تم مجھے فون کر سکتی تھیں۔"

"میں کیوں فون کرتی، ناراض تم ہوئے تھے، میں نہیں۔ تمہارے نزدیک میری بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں

ہوتی۔"

"عیشہ! اب تم زیادتی کر رہی ہو۔ کب میں نے تمہاری بات کو اہمیت نہیں دی لیکن بعض معاملات ایسے

ہیں جن میں مجھے کسی کی دخل اندازی پسند نہیں۔"

اس کے قطعی انداز پر عیشہ کی آنکھوں سے آنسو

جھلکنے لگا۔ "میں" کسی" نہیں ہوں وہاب! تمہاری منگیتر

ہوں۔ تمہاری زندگی کے ہر معاملے سے میرا گہرا تعلق ہے

پھر میں کیا تمہیں کسی بات کا مشورہ نہیں دے سکتی۔"

"پلیز عیشہ! تم ہر بات کو دل پر کیوں لے لیتی ہو۔" وہ

جھنجھلا کر بولا۔

"کیونکہ جن سے محبت کی جائے وہ کسی" نہیں

ہوتا۔ پہلے محبت ہوتی ہے پھر کچھ اور جبکہ تم "میں" سے

ہی باہر نہیں نکلتے۔"

اب بھی اس کی بات کرتے ہیں بات الجھ

جانی ہے۔ سو فاریٹ اٹ۔ میں تمہیں محبت چاہتا

ہوں۔ اس کے بعد عیشہ نے سر جھکا کر گہرا

سانس لیا۔

وہ جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"اچھا اب ناراض تو نہیں؟"

"تمہیں میری ناراضی کی پروا ہے؟"

"او میرے خدا! وہاب نے اپنا سر پکڑ لیا تو وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی لیکن اس سے پہلے ہی وہ دروازے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

"پہلے بتاؤ ناراض تو نہیں؟"

"ہو وہاب! مجھے باہر جانا ہے۔" اس نے جھنجھلا کر اس کے لیے چوڑے وجود کو دیکھا۔

"پہلے بتاؤ۔" وہ اب بھی اپنی بات پر اڑا تھا۔

"ہمیشہ اپنی منواتے ہو، ہٹو پیچھے۔ تمہیں ہوں ناراض۔"

وہ اسے دھکیل کر باہر نکل آئی۔

"حبیبہ....." عیشہ کی آواز پر اس نے بمشکل اپنی جلتی ہوئی آنکھیں کھولیں۔

"اٹھو، تھوڑا سا کھاؤ۔"

"باجی! میرا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے ہاتھ سے پلیٹ کو پیچھے دھکیلا۔

"دل نہیں چاہ رہا پھر بھی کھانا ہے۔" عیشہ نے اس کا بازو پکڑ کر زبردستی اسے اٹھایا تو اس نے برا سامنہ بنا کر پلیٹ

عیشہ کے ہاتھ سے لے لی۔

"تھک گئی ہیں۔" حبیبہ نے اسے اپنا بازو دباتے دیکھ کر

پوچھا۔

"تھوڑا سا۔"

"آپ نے میرے لیے الگ سے کھانا کیوں بنایا؟" اس نے کچھ دیر کا ایک چمچہ منہ میں ڈالنے سے پہلے عیشہ کو

دیکھا۔

"بھئی۔ اب بیمار بندے کو اتنا پروٹوکول تو دینا پڑتا

ہے۔" عیشہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب ہی لیٹ

گئی۔ یکدم حبیبہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کیا ہوا حبیبہ! طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے؟"

اسے روٹا دیکھ کر وہ ایک دم اٹھ گئی اور پریشانی سے اس کے

ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"باجی! میری وجہ سے آپ یونیورسٹی بھی نہیں

جار ہیں۔ میں جانتی ہوں، آپ کو اتنا کام کرنے کی عادی نہیں لیکن آپ صبح سے کام کر رہی ہیں۔" حبیبہ نے بھیگی نظروں سے اپنے دامیں طرف بیٹھی عیشہ کو دیکھا۔ "آج صبح سے مجھے اتنی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔ میری اتنی اوقات نہیں کہ آپ میرے لیے بار بار کھانا لے کر آئیں۔ میں تو پہلے ہی آپ پر بوجھ ہوں۔"

عیشہ کوئی جواب دیے بغیر کھڑی ہو گئی۔ حبیبہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"باقی! میں۔۔۔"

"شٹ اپ حبیبہ!" عیشہ نے درشتی سے اس کی بات کاٹی۔ "لگتا ہے بخار تمہارے دماغ کو چڑھ گیا ہے، اس لیے اول فول بک رہی ہو۔ میرے آنے تک تمہاری پلیٹ خالی ہونا چاہیے۔ میں تمہارے لیے دودھ لاتی ہوں۔"

اسے مسلسل روتا دیکھ کر اس نے اپنے لہجے کو مزید سخت کر لیا۔ کچن میں آکر وہ بے اختیار حبیبہ کے متعلق سوچنے لگی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا وہ ان دنوں میسرک میں تھی۔ جب منظور صاحب، حبیبہ کو لے کر آئے تھے۔ اس کے ماں باپ اور بھائی کو کسی خاندانی تنازعہ کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔ صرف وہی بچی تھی اور کوئی بھی اس یتیم کی سرپرستی کو تیار نہیں تھا۔ حبیبہ کے والد منظور صاحب کے کزن تھے۔ وہ صرف تعزیت کے لیے گئے تھے لیکن حبیبہ کی قابل رحم حالت دیکھ کر اسے اپنے ساتھ لے آئے۔

"عیشہ! تم ہمیشہ کہتی تھیں نا کہ تمہارا کوئی بھائی یا بہن نہیں۔ دیکھو، میں تمہاری بہن لے کر آیا ہوں۔" منظور صاحب کی چمکتی ہوئی آواز پر اس نے ان کے پہلو میں کھڑی خود سے چار سال چھوٹی اس لڑکی کو دیکھا جو سہمی ہوئی نظروں سے کبھی فرحت کو اور کبھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے مسکرانے پر وہ سہمی ہوئی نظریں اس کے چہرے پر ٹک گئیں۔ عیشہ نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگایا اور آج پانچ سال گزرنے کے بعد اسے صرف اتنا یاد تھا کہ حبیبہ اس کی بہن ہے۔

اس نے گہرا سانس لے کر ابلتے ہوئے دودھ کو دیکھا اور

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

بیٹا، ناماؤس آواز پر عیشہ کا چہرہ ہوا ہاتھ رک گیا۔

UrduPhoto.com

اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا، جہاں ایک لڑکی مسکراتی آنکھیں لیے اس کی توجہ کی خاطر تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" لڑکی نے عیشہ کے قریب اشارہ کیا۔

"شیور، وائے ناٹ۔" عیشہ بے نیازی سے جواب دے کر پھر فائل پر قلم دوڑانے لگی۔

"میرا نام صومیہ ہے، صومیہ تعظیم۔ آپ کی کلاس فیلو ہوں۔"

عیشہ کو ایک بار پھر قلم روکنا پڑا۔ "میں عیشہ منظور ہوں۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" صومیہ مسکرا کر بولی۔

"سیم ٹویو۔" مروتا "اسے بھی کہنا پڑا۔"

"در اصل ہم اسی سال اسلام آباد سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ کچھ دن پہلے میں نے یونیورسٹی جوائن کی، تب کوئی کلاس نہیں ہو رہی تھی۔ آج ایک ہفتے بعد آئی ہوں تو کافی لیکچرز مرس ہو گئے ہیں۔ کیا آپ مجھے اپنے نوٹس دے سکتی ہیں؟"

عیشہ نے چونک کر اثبات میں سر ہلایا اور فائل سے نوٹس نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ وہ کچھ دیر تو صفحے الٹ پلٹ کرتی رہی پھر عیشہ کو دیکھنے لگی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کیا آپ مجھے اس کے مین پوائنٹ سمجھا سکتی ہیں؟"

عیشہ نے بڑی مشکل سے کسی ناگوار تاثر کو چہرے پر آنے سے روکا۔

اور پھر شاعری کے اہم نکات سمجھاتے ہوئے اس نے اچانک اس کا چہرہ دیکھا جو بائیں ہتھیلی پر چہرہ نکالے بہت انہماک سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"لگتا ہے آپ کو مزید سمجھنے کی ضرورت نہیں۔"

عیشہ کے چہرے پر اب شکنیں نمودار ہوئی تھیں۔ صومیہ نے گڑبڑا کر چیزیں سمیٹتی عیشہ کو دیکھا۔

"عیشہ! آپ ناراض ہو گئی ہیں۔" صومیہ نے بڑے

پیار سے اس کا ہاتھ تھاما جبکہ عیشہ اس کے فدا ہونے والے انداز پر حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کی کوئی دوست نہیں؟" اس کے بے تکے سوال

پر عیشہ نے گہرا سانس لے کر سرفنی میں ہلایا۔

”کیوں؟“

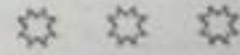
”کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔“ وہ بے دھیانی سے بولی۔

”لیکن دوستی بہت اچھی چیز ہے۔ اس کا احساس میں آپ کو دلا سکتی ہوں۔ مجھ سے دوستی کریں گی؟“ اس نے اچانک ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ عیشہ نے ایک لمحے کو اس کا چہرہ دیکھا، جہاں بہت نرم سا تاثر تھا۔

”یقین کرو“ میں بہت اچھی دوست ثابت ہوں گی اور جب تک تم مجھ سے دوستی نہیں کرو گی، میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔“ وہ تکلف کی دیوار ایک سیکنڈ میں گرا کر دم کاٹنے لگی تو عیشہ بے اختیار مسکرا دی۔

”ہاؤ سویٹ۔“ صومیہ نے بے اختیار اس کا گال چھوا۔ اس کے انداز پر عیشہ جھینپ کر مسکرا دی۔

”چلو“ کلاس شروع ہونے والی ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگی۔ اس کی آج تک کسی سے بہت گہری دوستی نہیں ہوئی تھی لیکن گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اسے یقین ہونے لگا تھا کہ دوستی جیسا رشتہ اور کہیں نہیں۔



”اتنی مروت بھی کوئی اچھی چیز نہیں ہوتی۔“ سامنے بیٹھے بچے کو گھورتے ہوئے اس نے خود سے کہا اور گہرا سانس لے کر سچے سچائے کمرے کا آٹھویں دفعہ جائزہ لینے لگی۔ یہ خوبصورت کمرہ ایک مشہور اسکول کا حصہ تھا اور وہ اس وقت پرنسپل کی سیٹ پر براجمان تھی اور اس سیٹ پر اسے بٹھانے کا سارا کریڈٹ منور انکل کو جاتا تھا جو اس کے ابو کے بیسٹ فرینڈ تھے۔ اسکول کو شروع ہوئے ایک سال ہی ہوا تھا لیکن اچھی شہرت اور انتظام کی وجہ سے جلدی بہت مشہور ہو گیا تھا۔ آج کل ایڈمیشن کا سلسلہ چل رہا تھا اور انکل کا اپنے کسی رشتے دار کی ذہیت کے سلسلے میں جانا ضروری تھا۔ اسٹاف پر انہیں زیادہ بھروسہ نہیں تھا، اس لیے انہوں نے ایک دن کے لیے اس کی خدمات حاصل کرنے کا سوچا تھا۔ ایک بار پہلے بھی وہی خوشی خوشی گئی تھی لیکن اتنی تعداد میں چھوٹے بچے اور ان کی بلند وبالا چیخیں سن کر اس نے اندہ جانے سے قویٰ دل نہ تھی لیکن کل انکل کی پریشان صورت دیکھ کر اور کچھ اپنی اذلی مروت

کے ہاتھوں ”ہاں“ کر بیٹھی تھی۔ سوچا تھا، کون سا بچوں کو پریشان ہے، صرف نظریہ ہی رکھنی ہے لیکن یہاں آکر یہ ”نظر رکھنا“ بھی اسے کافی بھاری پڑا تھا۔ پچھلے چار گھنٹے سے وہ فکر فکر کبھی انٹرویو لیتی مس ٹگمین کو اور کبھی دس منٹ بعد بدلنے والے بچوں کو دیکھ رہی تھی۔ تنگ آکر وہ کھڑی ہو گئی۔

”مس ٹگمین! میں ابھی آتی ہوں۔“ مس ٹگمین کے سر ہلانے پر وہ باہر آگئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائ نے اس کے موڈ پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ وہ سیدھی لان میں لگے جھولوں کی طرف آگئی۔ جھولے پر بیٹھ کر اس نے ارد گرد نظریں دوڑا کر کسی کے نہ ہونے کا اطمینان کیا اور جھولا جھولنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سلائڈ کی طرف آگئی۔ تین اسنیپ چڑھنے کے بعد وہ اپنی بچکانہ حرکت پر خود کو سرزنش کرتی ہوئی واپس اتر گئی۔ اس نے کیچر میں جکڑے بالوں کو آزاد کیا تو اسنیپ کنگ والے سلکی بال چہرے کے اطراف بکھر گئے۔ اس نے چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کر آنکھیں بند کر لیں، اور فضا کی ٹھنڈک محسوس کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور امرود کے درخت کے پاس کھڑی ہو کر اس کا جائزہ لینے لگی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے امرود توڑنا چاہا لیکن وہ اس کی دسترس سے کافی دور تھا۔ اس نے اچک کر ہاتھ بڑھایا، دوسری کوشش پر اس کا پاؤں مڑا تھا اور وہ جھٹکے سے زمین

خواتین ڈائجسٹ

کے خوبصورت ناول شائع ہو گئے ہیں

”ستاروں کا آنگن“ نسیم سحر قریشی

قیمت ————— 300/- روپے

”ڈھلے چاند دل کے پار“ ثمرہ بخاری

قیمت ————— 300/- روپے

”اے وقت گواہی دے“ راحت جبین

قیمت ————— 300/- روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 - اردو بازار کراچی -

"یہ میرا فریڈ ہے۔" بچے کے ماموں نے آنے والے کا تعارف کروایا۔ اس نے مس نگلین کو آواز دی، جواگلے لمبے ہی کمرے میں موجود تھیں۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ مس نگلین کے سوالوں کے دوران اس نے خود کو لا پروا ظاہر کرنے کے لیے رجسٹر کھول لیا۔ کچھ دیر بعد اس نے دزدیدہ نظروں سے سامنے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھر وہی مسکراہٹ آئی تھی جس نے عیشہ کے چہرے کا رنگ بدل دیا۔

"تاہمیں مسکرا نے کی بیماری ہے اس شخص کو۔" اس نے جھنجھلا کر پھر نظریں رجسٹر پر گاڑ دیں۔

"ٹھیک ہے، آپ بے منٹ کر کے ایڈمیشن کارڈ لے لیں۔" مس نگلین کے کہنے پر اس نے سکون کا سانس لیا۔ تاہم اس نے اس بار نظریں اٹھانے کی غلطی نہیں کی تھی۔ منور انکل کے ڈرائیور نے اسے چھوڑنے جانا تھا۔ اس کے آتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

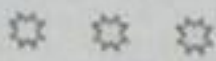
"ایکسکیوز می۔" اپنے پیچھے آنے والی آواز پر اس کے قدم رک گئے لیکن پیچھے کھڑے شخص کو دیکھ کر اسے اپنے رکنے کا افسوس ہوا۔

"آپ اس اسکول کی پرنسپل ہیں؟" پتا نہیں وہ واقعی پرنسپل کے نام سے لاعلم تھا یا..... بہر حال اس شخص کی طرح اس کی آواز بھی خوبصورت تھی۔ اس نے دل ہی دل میں اقرار کیا تھا۔

"پرنسپل کا نام منور ادریس ہے۔"

"آپ.....؟" وہ مشتاق نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں کچھ نہیں ہوں۔" وہ جواب دے کر تیزی سے آگے بڑھی۔ گیٹ سے نکلنے سے پہلے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ جھنجھلاتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ کچھ دیر خود کو کونے کے بعد اپنی حرکتیں یاد آنے پر وہ خود بھی مسکرا دی۔



"سچ عیشہ! میں ساری رات سو نہیں سکی۔ جب تھوڑی دیر کے لیے آنکھ لگنے لگتی تھی، نوٹس آنکھوں کے آگے لہرانے لگتے۔ میری وجہ سے بھائی بھی کتنی دیر تک جاگتے رہے۔"

"تمہاری کیسی تیاری ہے۔" پندرہ منٹ نان اسٹاپ بولنے کے بعد صومیہ کو اس کی تیاری کا خیال آیا۔

بوس ہو گئی۔ اس کے بالوں نے چہرے کو ڈھانپ لیا تھا اس نے دو زانو بیٹھتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جو مٹی سے لتھڑے ہوئے تھے۔ پھر ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ کپڑوں کو جھاڑ کر اس نے سر اٹھایا تو ساکت رہ گئی۔ گیٹ کے پاس اسے کسی وجود کا گمان ہوا تھا۔ اس نے چہرے پر آنے والوں کو جلدی سے ہٹایا، وہاں واقعی براؤن ٹوپی میں ملبوس ایک خوبصورت شخص محفوظ مسکراہٹ چہرے پر لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ کافی دیر سے اس کے کرتب سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ خفت سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ جھٹکے سے مڑی۔ آفس کی طرف بھاگنے کے سے انداز میں بڑھی۔

"مس نگلین! اور کتنی دیر ہے؟" اس نے اندر آتے ہی سوال کیا۔

"بس میم! ایک دو اور لوگ ہیں۔"

"ٹھیک ہے، آپ تھک گئی ہوں گی۔ میں دیکھتی ہوں۔"

سامنے بیٹھے بچے سے جلدی جلدی دو تین سوال پوچھ کر اس نے ایڈمیشن دے دیا اور بچے کی ماما جو بچے کی پرفارمنس دیکھ کر ناامید ہو چکی تھیں ہلکھل انھیں۔

وہ "نیکسٹ" کا کہہ کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی، جہاں اب جلن ہو رہی تھی۔ اندر داخل ہونے والے گول مٹول بچے کو دیکھ کر وہ مسکرائی۔ اس کے ساتھ آنے والے شخص کو اس نے بیٹھنے کو کہا تھا۔

"آپ کا نام؟" اس نے بڑے اشتیاق سے بچے کا چہرہ دیکھا۔

"شیردل۔" وہ بڑے فخر سے بولا تو وہ مسکرا کر اس شخص کی طرف مڑی۔

"آپ ان کے فادر ہیں؟"

"جی نہیں، ماموں۔"

"مے آئی کم ان!۔" اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اجازت مانگنے والی شخصیت کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی اور اس کے مسکراتے لب بھینچ گئے۔ جبکہ سامنے بیٹھا شخص حیران ہو کر کھڑا ہوا۔

"تم تو جانے والے تھے۔" سامنے کھڑے شخص نے دوسرے کی بات کو نظر انداز کر کے پھر حیرت زدہ سی اجازت مانگی۔

"جی۔" وہ سنبھل کر بولے۔

”جب آئی تھی تو قلعی اچھی نہیں لگ رہی تھی لیکن تمہاری حالت دیکھ کر لگتا ہے میری تیاری اچھی ہے۔“ عیشہ نے اس کی گھبرائی ہوئی شکل سے نظریں ہٹا کر دوبارہ نوٹس پر دوڑانا شروع کر دیں۔

”اومائی گاڑا! صومیہ کی چیخ پر وہ ڈر کر اچھل پڑی۔“

”عیشہ! میری رول تمہارے لیے تو گھر پہنچی رہ گئی۔“ صومیہ کی رندھی ہوئی آواز پر اس کا دل چاہا، کوئی چیز اس کے سر پر دے مارے۔

”اب کیا کروں ڈرائیور بھی چلا گیا ہوگا۔“ وہ گھبرا کر کھڑی ہوئی تو عیشہ نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ پیپر شروع ہونے میں ابھی چالیس منٹ تھے۔

”عیشہ پلیز! میرے ساتھ گھر چلو گی۔“ صومیہ کے ہاتھی انداز پر وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

”پلیز یار!“ صومیہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ رکشہ ایک عالی شان گھر کے آگے رکا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی گیٹ کپڑے کھول دیا۔ وہ ٹرانس کی کیفیت میں چلتی ہوئی صومیہ کے پیچھے آئی جو بھاگ کر اندر چلی گئی تھی جبکہ وہ مبہوت ہو کر سامنے دور تک پھیلے لان کو دیکھنے لگی جس کے آخری سرے پر ایک آبشار سا بنا تھا، لیکن اس وقت اس میں سے پانی نہیں نکل رہا تھا۔ لان کے تین اطراف میں پھول ہی پھول لگے تھے۔ وہ بے اختیار لان کی طرف جانی روش پر چلنے لگی۔ ایسے لگ رہا تھا وہ کسی گلستان میں نکل آئی ہو۔ اس نے سر اٹھا کر اس پر شکوہ عمارت کو دیکھا۔ اگر یہ گھر ایک کنال میں بنا تھا تو یہ لان بھی کم و بیش ایک کنال پر ہی پھیلا تھا۔

”عیشہ! چلو مل گئی۔“ صومیہ کی آواز پر وہ چونک کر ہوش میں آئی۔ اسے گیٹ کی طرف بھاگتے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکی اور پھر کتنے دن تک اس کا دماغ الجھا رہا۔ اب بھی اس کا ارادہ پڑھنے کا تھا لیکن اس وقت بھی وہ صومیہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس قدر امارت کے باوجود اس کے مزاج میں اتنی سادگی تھی کہ وہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہی تھی۔

صومیہ نے بات کرتے کرتے عیشہ کا چہرہ دیکھا۔ ”کیا ہوا؟“ پیپر اچھا نہیں ہوا۔ ”وہ پریشانی سے عیشہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔“

”نہیں اچھا ہوا ہے۔“

”پھر تم اتنی چپ چاپ کیوں ہو بلکہ میں اتنے دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔ تم اب بھی ابھی سی رہتی ہو۔“ اس کے لہجے میں فکر مندی محسوس کر کے وہ غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”صومیہ! تم نے مجھ سے دوستی کیوں کی تھی؟“ آخر وہ سوال اس کی زبان پر آئی گیا جس نے پچھلے پندرہ دنوں سے اسے بے چین کر رکھا تھا۔

”یہ سوال تمہیں ایک سال پہلے پوچھنا چاہیے تھا۔“ صومیہ کے سنجیدہ انداز پر وہ ہنس پڑی۔

”میں صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں، تمہیں مجھ میں کیا اچھا لگا تھا؟“

”اپنی تعریف سننا چاہتی ہو۔؟“ وہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔ ”پہلی بار تمہارے چہرے نے اٹریکٹ کیا پھر تمہاری بے نیازی، تمہارے بال، تمہاری آنکھیں۔“

”بس بس۔“ عیشہ نے یک دم سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اسے ٹوک دیا۔

”اور یہ بھی۔“ صومیہ نے ہنستے ہوئے اس کے گالوں پر پھیلے رنگ کی طرف اشارہ کیا۔

”لیکن آج یہ خیال تمہیں آیا کیوں۔؟“ صومیہ کے انداز پر وہ ہنس پڑی۔

”بس ایسے ہی۔“ وہ مطمئن ہو کر گراؤنڈ میں نظریں دوڑانے لگی۔

”پتا نہیں عیشہ! لیکن تم واقعی مجھے بہت اچھی لگی تھیں۔ میری اور دوستیں بھی ہیں، لیکن یہاں تمہیں دیکھ کر مجھ پر بس ایک ہی دھن سوار ہو گئی تھی۔ تم کو قریب سے جانتا ہے، اپنا بنانا ہے۔“ اس کے لہجے پر عیشہ اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

گھنے سیاہ بال، سیاہ بڑی بڑی آنکھیں، ستواں ناک، خوبصورت ہونٹ، گندی چمک دار رنگت، لانا قد۔ وہ خود بہت پرکشش تھی۔ شاید اسے احساس نہیں تھا۔ اسے غور سے دیکھتے ہوئے عیشہ کو احساس ہوا کہ اس نے ایسے ہی نقوش اس سے ملتا جلتا چہرہ کہیں اور بھی دیکھا ہے لیکن کوشش کے باوجود اسے یاد نہ آ سکا۔

UrduPhoto.com
”شکر ہے یہ بوجھ بھی سر سے اترا۔ اب رزلٹ میں تو
میں نے گتے کا ٹکڑا لٹکا دیا۔“ عیشہ نے جلدی شروع
ہو جائیں گی۔ سنا تھا اس دن سر لقمان کا طویل پیچر۔“
UrduPhoto.com

”کبھی کبھی تم مجھے اتنی اچھی لگتی ہو کہ میں سوچتی ہوں۔ کاش میں لڑکا ہوتی۔۔۔“ اس کے عاشقانہ انداز پر اس نے بے ساختہ اس کے کندھے پر مٹکا جڑا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”تم بہت حسن پرست ہو۔“ عیشہ بے ساختہ بولی تھی۔

”ہاں واقعی میں بہت حسن پرست ہوں۔ ہر خوبصورت چیز مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے اور جب تک اسے حاصل نہ کر لوں، مجھے چین نہیں ملتا یا یوں کہہ لو۔ حسن میری کمزوری ہے۔“ وہ برملا اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے لگی تو عیشہ مسکرا دی۔

”میری اس عادت پر بھائی اکثر ٹوکتے ہیں اور می۔۔۔ وہ تو ڈانٹتی ہیں لیکن پھر بھی میں اپنی عادت بدل نہیں پاتی۔“

”صومیہ! تم نے کبھی بتایا نہیں تمہارے گھر میں کون کون ہے؟“

”تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔“ عیشہ شرمندہ ہو گئی۔

”اچھا اب ایسی شکل بنانے کی ضرورت نہیں۔“

”میرے گھر میں میں ہوں، می ہیں اور میرے بڑے بھائی اور میں اپنے بھائی اور می کی لاڈلی ہوں۔“ عیشہ مسکراتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

”چلو تمہارا ڈرائیور آگیا ہو گا اور ویسے بھی آج مجھے وہاں لینے آنا تھا۔“

”وہ تمہارا کزن۔؟“ صومیہ نے اپنی چیزیں اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔“ اس دن تم پہلی بار ہمارے گھر آئیں لیکن میں تمہیں اندر بھی نہیں بلا سکی۔“ صومیہ کے لہجے میں افسوس تھا۔

”اس وقت اندر بلانے والے حالات بھی نہیں تھے۔“

”اچھا پھر آؤ گی۔؟“ صومیہ نے اشتیاق سے اس کا چہرہ دیکھا اس کا سر بے ساختہ نفی میں ہلا تھا۔

”میرا آنا تو بہت مشکل ہے۔ تم آؤ نا ہمارے گھر، تم کبھی ہمارے گھر نہیں آئیں۔“

”کیسے آتی، تم نے بلایا ہی نہیں، ورنہ میں اڑ کر پہنچ جاتی۔“ وہ باتیں کرتے ہوئے عیشہ کی طرف ہلنے لگیں۔

”اچھا اب میں بلا رہی ہوں، ضرور آنا۔“ عیشہ نے کھڑے وہاں کود دیکھ کر وہ جلدی سے بول اٹھی۔

”یہ تمہارا کزن ہے۔؟“ صومیہ سامنے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے تیزی سے بائیک کی طرف بڑھی۔ بائیک کے پیچھے بیٹھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر گیٹ کی طرف دیکھا۔ صومیہ اب بھی وہاں کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔



”صبح سے اس لڑکی نے افراتفری مچا رکھی ہے۔ دوست آرہی ہے یا صدر پاکستان آ رہا ہے۔“ فرحت چیزیں سمیٹتے ہوئے مسلسل بڑبا رہی تھیں، جبکہ منظور صاحب ہنس پڑے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ ان کی ہنسی کی وجہ پوچھتیں، حبیبہ نے کچن سے جھانکا۔

”نالی جی! گا جڑ کا حلوہ بن گیا، آپ دیکھ لیں۔“

”وہ بیگم صاحبہ خود کہاں ہے اس سے کہو، وہ خود بھی کچھ کر لے۔ عیشہ۔۔۔“ ساتھ ہی وہ اسے آوازیں دینے لگیں۔

”نالی جی! وہ نما رہی ہیں۔ آپ دیکھ لیں۔“ حبیبہ غڑا پ سے پھر اندر غائب ہو گئی۔ منظور صاحب نے افراتفری کے منظر سے نظریں ہٹا کر اخبار پر جمائیں لیکن باہر سے آتی وہاب کی بائیک کی آواز سن کر انہیں اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ کچھ دیر بعد وہ دو شاپرز اٹھائے اندر داخل ہوا۔

”چچی جان! یہ بیکری کا سامان۔“ اس نے شاپرز ڈانگنگ ٹیبل پر رکھے اور خود بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

”بھائی کے لیے پانی لاؤ حبیبہ۔“ اسے تھکا ہوا دیکھ کر فرحت نے حبیبہ کو آواز دی۔

”نہینکس گاڈ! تم آگئے ورنہ میں سمجھ رہی تھی، تم بھول گئے ہو۔“ تب ہی وہ بالوں میں برش کرتے ہوئے اندر داخل ہوئی اور شاپرز کھول کر دیکھنے لگی۔

”یہاں سب تمہارے نوکر بیٹھے ہیں نا۔ صبح سے صبح کچن میں لگی ہوئی ہے اور اس بچے کو بھی صبح سے دوڑا رکھا ہے۔ ماں سارے گھر کو صاف کرتی پھر رہی ہے۔ اتنی ہی وی آئی پی شخصیت تھی تو گھر میں بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ دنیا سے زالی دوستی کی ہے محترمہ نے۔“ فرحت صبح سے کام کرنے کی وجہ سے کافی چڑچی ہو رہی تھیں۔

”ای! وہ پہلی بار ہمارے گھر آرہی ہے۔“ وہ چیزیں شاپرز سے نکالتے ہوئے بولی۔

"بیٹا! ٹھیک ہے، وہ پہلی بار آرہی ہے لیکن تم ضرورت سے زیادہ کا تنہس ہو رہی ہو۔" منظور صاحب صبح سے اس کی ہڑونگ دیکھ رہے تھے سوٹو کے بنانہ رہ سکے۔

"ابو! دراصل مجھے اندازہ نہیں تھا، وہ اتنی امیر ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میں اس دن اس کے گھر گئی تھی۔" کتنی ہی بار کی دہرائی ہوئی بات وہ پھر سے دہرانے لگی تو انہوں نے بے ساختہ اس کی بات کاٹی۔

"یہ تم کب سے کسی کی امارت سے امیر ہیں ہونے لگی ہو۔؟" ان کے لہجے میں ناگواری جھلکنے لگی۔

"چاچو! پیسہ اچھے اچھوں کا ایمان بدل دیتا ہے۔ ان کے تو پھر صرف خیالات بدلے ہیں۔" وہاب کی مسکراتی ہوئی آواز پر وہ تلملا کر پلٹی۔

"ایکسکیوز می! میرا ایمان اتنا کمزور نہیں زندگی میں پہلی بار میری کوئی دوست آرہی ہے تو سب کو مصیبت پڑ گئی ہے۔" اس کا موڈ خراب ہو گیا۔

"لاڈلی کے مزاج ہی نہیں ملتے۔" فرحت سر جھٹکتے ہوئے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"ایسی بات نہیں عیشہ! بس تم ضرورت سے زیادہ اس بات کو سر پر سوار کر رہی ہو۔ تم تو اس کی اتنی تعریفیں کرتی ہو تو کیا اسے اپنی امیری پر ناز ہے۔؟"

"نہیں ابو! وہ تو بہت اچھی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔" وہ جلدی سے بولی۔

"تو بس پھر اس نے دوستی تم سے کی ہے تمہارے گھر سے نہیں۔ اگر وہ امیر ہے تو اس کی قسمت اور اللہ کا شکر ہے ہم لاکھوں نہیں تو ہزاروں سے بہتر ہیں۔" منظور صاحب کے انداز پر وہ مطمئن ہو کر مسکرا دی۔

"جاؤ حبیب! تم بھی کپڑے بدل لو۔" اس نے سلاو کی پلیٹ اپنے آگے سرکا کر چھری اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"چائے پیو گے۔" وہاب کو اندر آتا دیکھ کر اس نے پوچھا۔

"پلاؤ گی تو پی لیں گے۔" اس کے انداز پر وہ مسکراتے ہوئے چائے کپ میں ڈالنے لگی۔ پھر کرسٹل کی پلیٹیں

شلف پر رکھتے ہوئے اس کی نظر وہاب پر پڑی جو کاؤنٹر سے ٹیکہ لگا کر بڑی ڈیڑھی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ دوبارہ

کیبنٹ کی طرف مڑ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی نظروں کے

"کیا مسئلہ ہے۔ جاؤ! باہر جا کر ابو کے پاس بیٹھو۔" وہ

گہری ہوتی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے مزید قریب آیا تو وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔ ساری بے نیازی ہوا ہو گئی۔ اس کے چہرے کے بدلنے رنگوں کو دیکھ کر وہ ہستا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

"آج بہت بری لگ رہی ہو۔" عیشہ نے اس کی طرف دیکھا۔ نظریں اٹھائیں جس کے لفظوں کے برعکس آنکھیں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔ وہ سنبھل کر مسکرا دی۔

"جانتی ہوں۔" ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند تو کرتے تھے لیکن اس کا اظہار کرنا دونوں کو ہی اپنی شان کے خلاف لگتا تھا۔

"بال باندھ لو۔" وہاب کی آواز پر وہ مسکراتے ہوئے پلٹی۔

"کیوں؟"

"چیز مل لگ رہی ہو۔"

"اسی لیے مسلسل گھورے جا رہے ہو۔"

"کیا کروں مجبوری ہے۔ اب اگر میں بھی ڈر گیا تو تم سے شادی کون کرے گا۔"

"واقعی؟ تم تو دنیا میں آخری انسان رہ گئے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی پھر کچھ سوچ کر اس کا چہرہ دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔ اسے لگایہ بات کرنے کا مناسب موقع ہے۔

"جواب کا کیا بنا؟"

"کچھ نہیں۔ ایک دو جگہ سی وی بھجوائی ہے اب دیکھو۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"وہاب! وہ والی جاب تمہیں چھوڑنی نہیں چاہیے تھی۔ اتنی مشکل سے تو ملی تھی۔"

"تو کیا کرتا؟ سات ہزار میں گھر نہیں چلتے۔"

"تم تھوڑا انتظار تو کر سکتے تھے۔ انسان نیچے سے ہی اوپر جاتا ہے۔"

"چھوڑو یا رابہ سب پرانی باتیں ہیں۔ میں اس طرح کی چھوٹی موٹی جاب نہیں کر سکتا۔ مجھے بہت اصرار ہے اور میں جا کر رہوں گا۔ چاہے مجھے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔"

"اس کے پر عزم لہجے پر عیشہ کی آنکھوں میں تشویش اتر آئی۔

"اس" کچھ بھی "سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"کوئی بھی شارٹ کٹ راستہ۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"چاہے وہ قتل یا ڈاکائی ہو؟"

"ہو سکتا ہے۔" عیشہ کے سوال پر وہ لاپرواہی سے بولا
تو وہ کانپ کر رہ گئی۔

"وہاب! تم دن پہ دن کیسے ہوتے جا رہے ہو۔ روپے کی
ہوس بہت بری ہوتی ہے۔ مجھے دولت کی چاہ نہیں ہے ہم
دونوں کم میں بھی بہت اچھا گزارا کر سکتے ہیں۔"

"کیسی بچوں جیسی باتیں کرتی ہو۔ دولت کی چاہ کے
نہیں ہوتی۔ چلو تمہیں نہیں مان لیا لیکن مجھے ہے۔ ان
سات ہزار میں میرا تمہارا گزارا ہو سکتا ہے۔ امی پاپا کو بھی
نکال دو۔ پاپا کی پنشن کافی ہے لیکن کل کو جب ہماری فیملی
بڑھے گی، ان کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی؟ میں اپنے
بچوں کو زندگی کی ہر سہولت دینا چاہتا ہوں۔" اس کا لہجہ تیز
ہو چکا تھا۔

"خوشی دولت کی محتاج نہیں ہوتی۔ محبت اور اتفاق ہونا
چاہیے۔" وہ رسانیت سے بولی تو وہ چپ چاپ جوتے کی ٹو
کو فرش پر مارنے لگا۔ اسے خاموش دیکھ کر وہ مزید گویا
ہوئی۔

"یہ بات میں تمہیں پہلے بھی اتنی بار کہہ چکی ہوں،
تمہاری یہ باتیں لے ڈوبیں گی ہمیں تمہیں۔ جیسی بھی
جاب ملتی ہے، کر لو اور پلیز۔۔۔ اپنے آوارہ دوستوں کو چھوڑ
دو۔"

"کیا کیا چھوڑوں۔ مجھ سے سات ہزار کے لیے نائن ٹو
فائیو جاب نہیں ہوتی جو چیز میرے مزاج میں نہیں، وہ میں
کیوں کروں۔"

"میری خاطر کیا تمہارے نزدیک میری اتنی بھی اہمیت
نہیں۔؟"

"عیشہ! مجھے کبھی کبھی تم سمجھ میں نہیں آتیں۔ اچھی
خاصی سمجھ دار ہو لیکن محبت کے معاملے میں تمہاری سوچ
اتنی بچکانہ کیوں ہے۔ محبت کی جس شدت کی تم متقاضی
ہو، وہ اب صرف افسانوی باتیں بن کر رہ گئی ہیں۔ آج کے
دور میں کوئی لیلیٰ مجنوں نہیں ہوتے۔ لی پر یکینکل۔
چاہے کیسا ہی رشتہ ہو، کوئی کسی کی خاطر اور خاص طور پر
محبت کی وجہ سے خود کو نہیں بدلتا۔" اس کے تلخ انداز پر وہ
بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

اس موقع پر بحث لا حاصل ہے اور میں جو بھی کروں گا،
میرے لیے اس کا کوئی نقص نہیں ہوگا۔ وہ جھٹکے
سے مڑی اور باہر نکل گئی لیکن باہر سے آنی صومیہ کی آواز

پر وہ بے ساختہ پلٹی اور گہرا سانس لے کر خود کو اس کے
استقبال کے لیے تیار کرنے لگی۔



"جب سے سنا ہے رزلٹ آ رہا ہے، میری تو بھوک ہی
ختم ہو گئی ہے۔" صومیہ کی دہائی پر عیشہ نے حیرت سے
تیسرا سوسہ کھاتی صومیہ کو دیکھا۔

"یہ رزلٹ اتنی جلدی کیوں آ رہا ہے۔؟"
"مختصر مدہ! جلدی کہاں آ رہا ہے، اب تو فائنل کے پیپر
ہونے والے ہیں۔" عیشہ نے اس کی معلومات میں
اضافہ کیا۔

"خیر چھوڑو، یہ پتاؤ، انکل آنٹی کیسے ہیں۔؟"
"ٹھیک ہیں، تمہیں یاد کرتے ہیں اور جیبہ روز تمہارا
پوچھتی ہے۔"

"ہوں۔" اس نے مسکرا کر پلیٹ میں پڑا آخری سوسہ
بھی اٹھا لیا۔ "تم نے پہلے کبھی بتایا ہی نہیں انکل پیرالائز
آئی مین۔۔۔" اس کو جھجکتا دیکھ کر وہ خود ہی بول پڑی۔

"جب میں اینٹا۔ میں تھی تو ابو کا ایکسیڈنٹ ہوا
تھا۔ اس میں وہ اپنی ایک ٹانگ سے محروم ہو گئے تھے جبکہ
دوسری ٹانگ بھی زیادہ کام نہیں کرتی۔"

"اوہ۔۔۔" صومیہ نے افسوس کا اظہار کیا۔ "تم لوگوں کا
سورس آف انکم کیا ہے؟"

"ابو پہلے بینک میں تھے اس لیے تو پنشن ملتی ہے۔ اس
کے علاوہ دود کا نہیں ہیں جن کا کرایہ آتا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ ویسے تمہارے گھر آکر میرا دل خوش ہو گیا۔
کافی مقدار میں حسن پایا جاتا ہے لیکن ایک بات میں نے
نوٹ کی۔ جیبہ تمہاری بہن کافی مختلف ہے تم سب سے۔
اور وہ آنٹی کو مائی جی کہہ رہی تھی۔" صومیہ کی حیرت پر وہ
کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"دراصل جیبہ ابو کے کزن کی بیٹی ہے۔"
"لیکن تم تو ہمیشہ اس کا ایسے ذکر کرتی ہو جیسے وہ تمہاری
سگی بہن ہو۔" صومیہ اب بھی حیران تھی۔

"ہاں، کیونکہ میں اسے اپنی سگی بہن ہی سمجھتی ہوں۔"
عیشہ کے لہجے میں محسوس کی جانے والی اپنائیت پر وہ
متاثر ہونے والے انداز میں سر ہلانے لگی۔

"اور وہ تمہارا کزن، وہ بھی بہت ہینڈ سم ہے۔"
"وہ تو ہے۔" اس نے وہاب کی تعریف بڑے حق سے

وصول کی۔

"اور...." عیشہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلانیں تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔



"لاؤ میں سب کاٹ دوں۔" صومیہ نے حبیبہ کے ہاتھ سے چھری لی تو وہ گھبرا گئی۔

"نہیں باجی! آپ چھوڑ دیں۔"

"ارے میں صحیح طرح کاٹوں گی۔"

"بیٹا! تم یہاں کیوں کھڑی ہو، باہر جا کر بیٹھو۔" فرحت نے اسے کچن میں کھڑے دیکھ کر کہا۔

"آنٹی! مجھے کچن میں مزہ آتا ہے۔ میں مہمان تھوڑی ہوں۔ ہفتے میں چار دن یہیں پائی جاتی ہوں، اس لیے اب مجھے آپ گھر کا فرد سمجھیں۔" صومیہ نے حبیبہ کے سر پر چپت لگائی تو اس نے مسکرا کر چھری اسے تھما دی۔ وہ حبیبہ کے ساتھ نیچے پیٹری پر بیٹھ گئی۔

"کچھ اپنی دوست سے سیکھو۔" عیشہ کو اندر آتا دیکھ کر فرحت نے اسے گھورا۔

"کتنی ذمہ دار بچی ہے اور ایک تم ہو، صبح دودھ دیکھنے کا کہہ کر گئی، واپس آئی تو دودھ ابل چکا تھا اور محترمہ رسالہ پڑھ رہی تھیں۔"

"امی! آپ کو تو بس موقع چاہیے۔" وہ کٹے ہوئے امرود اٹھا کر کھانے لگی۔

"کوئی بات نہیں آنٹی! اتنا تو چلتا ہی ہے۔" صومیہ کے لاپرواہ انداز پر وہ مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔ منہ دھو کر باہر نکلی تو وہ اب صوفے پر نیم دراز تھا۔

"تم کب آئے؟" وہ خوشگوار حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"ابھی آیا ہوں۔ یہ تمہاری دوست کو اور کوئی کام نہیں، جب دیکھو یہیں پائی جاتی ہے۔" وہ بیزار سی بولا تو وہ مسکرا دی۔

"امی ابو کے ساتھ کافی گھل مل گئی ہے۔ آج امی نے فون کر کے بلایا تھا۔" وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"کیا بات ہے، پریشان ہو؟" وہ اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"جواب کی وجہ سے تھوڑی بہت ٹینشن تو ہے۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے بیزار سی بولا اور پھر کچھ یاد آنے پر اپنے پیچھے سے کچھ اٹھایا۔

"اچھا اٹھو، کلاس میں چلتے ہیں۔ پتا ہے نائٹس ہے۔" عیشہ کے کہنے پر وہ کرسی پر مزید ایزی ہو کر بیٹھ گئی۔

"یار! میری تیاری نہیں۔" عیشہ نے غور سے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا۔

"طبیعت ٹھیک ہے؟"

"ہاں، میری تو ٹھیک ہے لیکن بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے میں ساری رات نہیں سو سکی۔"

صومیہ نے آنکھوں کو مسلا تو عیشہ مسکرا دی۔ اس نے اکثر محسوس کیا تھا کہ صومیہ اپنے بھائی سے بہت پیار کرتی ہے۔ اس کی ہر بات میں اس کے بھائی کا ذکر ضرور ہوتا تھا۔

"تم اپنے بھائی سے بہت پیار کرتی ہو۔؟" صومیہ نے جب نظریں اٹھائیں تو ان میں سرخ ڈورے نمایاں ہو رہے تھے۔

"بہت، بہت زیادہ۔ میری جان تو ان میں بسی ہے۔ اگر انہیں ذرا بھی تکلیف ہوتی ہے تو مجھے ان سے زیادہ ہوتی ہے۔" اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ "وہ مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں کہ اگر پایا ہوتے تو شاید وہ بھی اتنا نہ کرتے۔"

جب پایا کی ڈیٹہ ہوئی تھی تو میں بہت چھوٹی تھی، سیونٹھ کلاس میں۔ بھائی ان دنوں امریکہ میں اپنا گریجویشن کر رہے تھے۔ وہ واپس آگئے لیکن ممی نے انہیں دوبارہ بھیج دیا پھر گریجویشن کے بعد یہاں آکر انہوں نے ایم بی اے کیا۔ پایا کا بزنس سنبھالا، ہمیں سنبھالا۔ مجھے اور ممی کو وہ اتنا دلاسہ دیتے ہیں لیکن خود اپنی تکلیف کسی سے سیر نہیں کرتے۔ انہیں بھی تو کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہوگی لیکن انہوں نے کبھی ہم پر ظاہر نہیں کیا۔" صومیہ سر جھکا کر اپنی ہتھیلی دیکھنے لگی۔ "بس میں چاہتی ہوں، انہیں ایسی بیوی ملے جو ان کی تنہائیوں کو بانٹ لے۔ ان سے بے حد پیار کرے۔" صومیہ کی آنکھوں سے ایک قطرہ نکل کر گال پر لکیر بناتا ہوا اس کی ہتھیلی پر ٹھہر گیا۔ عیشہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ آج سے پہلے اس نے صومیہ کو اتنا سنجیدہ اور افسردہ نہیں دیکھا تھا، صومیہ نے ہتھیلی نظروں سے اس کا پریشان چہرہ دیکھا تو اس نے اپنے

آنسو صاف کیے۔

"چھوڑو یار! میں جو انخواہ اموشنل ہو گئی۔ چلو اور

سوئے منگواتے ہیں۔"

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

”تمہارے پاس ہونے کا گفٹ تھوڑا لیٹ ہے لیکن.....!“ اس کی خشمگیں نظریں دیکھ کر وہ مسکرا کر چپ ہو گیا۔

”تم نے مجھے دس کر دیا، میرے لیے کافی تھا۔ اس فارمیسی کی کیا ضرورت تھی۔“

”تھی تو اور پھر کوئی اتنا منگ گفٹ بھی نہیں۔“

”وہاب! تم باز نہ آنا، میرے لیے یہی بہت قیمتی ہے۔“ اس نے پہلے افسوس سے وہاب کو دیکھا اور پھر پر فوم کا ڈھکن کھول کر اس کی خوشبو سونگھنے لگی۔

”عیشہ.....“ وہاب کے پکارنے پر اس نے نظریں اٹھائیں۔

”کبھی کبھی تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔“ وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا، تب ہی دروازہ دھڑ سے کھلا تھا۔

ان دونوں نے ایک ساتھ دروازے کو دیکھا، جہاں صومیہ کھڑی تھی۔

”ہیلو۔“ صومیہ نے مسکرا کر وہاب کو دیکھا۔ عیشہ نے جلدی سے وہاب کا چہرہ دیکھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری بہت واضح تھی۔

”سوری۔“ صومیہ جلدی سے پلٹ گئی جبکہ کچھ کہنے کی کوشش میں وہ سوچتی رہ گئی۔

”اے تمیز نہیں ہے۔“ وہاب غصے سے بولا۔

”وہاب! تمہیں ایسے بیہوش نہیں کرنا چاہیے تھا، اے برا لگا ہو گا۔“

”تو میں کیا کروں۔“ وہ بے رخی سے بولا تو وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔

”لگتا ہے وہاب کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگتا۔“ وہ چائے کا کپ صومیہ کے سامنے رکھ رہی تھی، جب اس نے اسے کہتے سنا تھا۔

”نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ بس وہ اپنی جاب کی وجہ سے سیشن میں تھا۔“

”میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔“ ایک منٹ کے وقفے کے بعد وہ بولی۔

”کیسے؟“ عیشہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”وہاں چھوڑ دو، تم وہاب کو بلاؤ۔“ حیرت زدہ سی اسے بلانے کے لیے اٹھ گئی تھی۔

”وہابی جاب چاہیے آپ کو؟“ وہاب کے مندرجہ انداز میں اس کا سوال اس کی سہمی ڈیڑھ منٹ سن کر

عیشہ نے ناامیدی سے سر ہلایا۔

”ٹھیک ہے، آپ کل آفاق ٹریڈنگ چلے جائیں، آپ کے حسب منشا جاب مل جائے گی۔“

وہاب کے ساتھ عیشہ نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

”آپ جانتی ہیں آفاق ٹریڈنگ میں جاب ملنا کتنا مشکل ہے؟۔“ وہاب کو اس کا دماغ کھسکا ہوا لگا۔

”جانتی ہوں لیکن آپ کو وہاں جاب مل جائے گی کیونکہ آفاق ٹریڈنگ میرے بھائی کی ہے۔“ وہاب نے شاگ کی کیفیت سے نکلنے کے بعد عیشہ کو دیکھا اور پھر صومیہ کو

جبکہ عیشہ کو صومیہ کی امارت پر پہلے ہی کوئی شک نہیں تھا۔

”لیکن ان کی کچھ رکوائز منٹ تو ہوں گی۔“ اس بار وہاب کا لہجہ بہت نرم تھا۔

”اس کو آپ رہنے دیں، میں بھائی کو کہہ دوں گی۔ آپ اپنی سی وی ضرور لے جائیے گا۔ جسٹ فارمیسی۔“

وہ گندھے اچکا کر بولی۔

”تھینکس صومیہ!“

”ڈونٹ بی سلی عیشہ!“ صومیہ نے اسے گھر کا تو وہ مسکراتے ہوئے کچن میں آگئی۔ جب وہ واپس آئی تو وہاب بہت خوشگوار موڈ میں صومیہ سے باتیں کر رہا تھا، اس نے سکون کا سانس لیا۔



”بس باجی! اب میں مزید نہیں چل سکتی۔“ عیشہ نے حیرت سے پیچھے دیکھا، جہاں حبیبہ دیوار سے ٹیک لگائے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

”ابھی تھوڑی سی شاپنگ کی ہے اور تم ہانپنے لگی ہو۔ مجھے ابھی وہاب کے لیے شرٹ بھی خریدنی ہے۔“ وہ

سامنے والی دکان کے گلاس ڈور سے نظر آتی شلوار قمیص کا جائزہ لے لگی۔

”مجھے تو آپ معاف رکھیں۔ سارا شاپنگ سینٹر چھان مارا مگر آپ کو کوئی شرٹ ہی نہیں بھاری۔ اس سے تو بہتر

تھا کہ آپ وہاب بھائی کے ساتھ آجائیں۔“ حبیبہ کے کہنے پر اس نے افسوس سے سر ہلایا۔

”سوچا تو یہی تھا، پر جب سے جناب جاب پر جا رہے ہیں، زیادہ ہی بڑی ہو گئے ہیں۔ ٹائم ہی نہیں ہے۔“ وہ اس

کے لہجے کی اعلیٰ اتارتے ہوئے بولی تو حبیبہ مسکرانے لگی۔

”آپ ہی تو ہر وقت کہتی تھیں، سیریس ہو کر کام کرو۔“
 ”ہاں تو اتنا سیریس ہونے کو بھی نہیں کہا تھا کہ تین ماہ
 میں صرف تین ہی چکر لگائے، وہ بھی صرف شکل دکھانے
 کے لیے۔“ عیشہ کے لہجے میں ناراضی محسوس کر کے وہ
 خاموش ہو گئی۔ عیشہ کو ایک بڑی سی دکان میں داخل ہوتا
 دیکھ کر وہ گہرا سانس لیتے ہوئے اس کے پیچھے چلنے لگی۔
 ”باجی! بھوک لگی ہے۔“ وہ اس کے کان کے قریب
 ہو کر منمنائی۔

”اچھا بس چل رہے ہیں، آپ پلیز یہ شرٹ پیک
 کر دیں۔“ عیشہ نے سیکڑ بوائے کو ایک بہت مہنگی شرٹ
 پیک کرنے کو کہا۔ حبیبہ نے عیشہ کو اتنی شاہ خرچی پر
 روکنا چاہا لیکن پھر متوقع ڈانٹ سے بچنے کے لیے رخ موڑ
 لیا۔ اگلے ہی پل باہر نظر آتے نظارے نے اسے سب کچھ
 بھلا دیا۔

ہینڈ بیگ لینے کے لیے جب عیشہ نے اپنے اطراف
 میں دیکھا تو کہیں نہیں تھی۔ وہ حیران پریشان آگے بڑھی۔
 ساری دکان دیکھنے کے بعد وہ بھاگتے ہوئے بیس منٹ کی
 طرف بڑھی۔ جب سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کا سر زور
 سے کسی چیز سے ٹکرایا۔ ”تو“ وہ بے اختیار سر تھام کر وہیں
 بیٹھ گئی۔

”سوری، ایم ویری سوری۔“ بھاری مردانہ آواز اس
 کے قریب سے ابھری تو اسے اندازہ ہوا کہ سر کس سے
 ٹکرایا ہے۔ وہ گھومتے سر کو قابو کرتے ہوئے بمشکل اٹھی۔
 ”ارے۔“ سامنے کھڑے شخص کی حیرت میں خوشگوار
 تاثر محسوس کر کے وہ اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی اور اس کے
 چہرے پر نظر پڑتے ہی ڈانٹنے کا سارا پروگرام دھڑکے کا دھرا رہ
 گیا۔

”آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟“ وہ مخصوص مسکراہٹ
 چہرے پر سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سر کو بھی نہیں ہلا سکی
 پھر حبیبہ کا خیال آتے ہی اس نے بے تابی سے اس کے
 پیچھے جھانکا، جہاں اکا دکا لوگ موجود تھے۔

”لگتا ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔“ مقابل کے لہجے
 میں نہ پہچانے جانے کا افسوس تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی
 جواب دینی اپنے پیچھے اسے حبیبہ کی آواز کا گمان ہوا۔ وہ
 سب سے پہلے دیکھا گئی ہوئی اور آئی، جہاں حبیبہ اسی
 سیکڑ بوائے لڑکے سے عیشہ کے بارے میں پوچھ رہی

”حبیبہ...“ عیشہ کی آواز پر وہ جلدی سے پلٹی اور اس
 کے قریب پہنچتے ہی اس کا ہاتھ کھینچ کر باہر نکلنے لگی۔
 ”ارے ہوا کیا۔“ وہ حیران ہو کر اس کے پیچھے چلنے
 لگی۔

”ایکس کیبوز می، ہیلو۔“ پیچھے سے آواز پر اس نے
 گردن موڑ کر دیکھا۔ وہی شخص دکان کے وسط میں حیران
 پریشان کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کر حبیبہ سے ہاتھ
 کھینچنے لگی۔

”کیا مصیبت نازل ہو گئی تم پر؟“
 ”باجی! میں نے صومیہ باجی اور وہاب بھائی کو دیکھا
 ہے۔“ اور وہ یک دم رک گئی۔

”کہاں؟“ اس کی آواز بہت دھیمی ہو گئی۔

”وہاں۔“ حبیبہ نے سامنے ریسٹورنٹ کی طرف اشارہ
 کیا۔ اس کے قدم بے ساختہ ریسٹورنٹ کی طرف اٹھے۔
 اسے یاد آیا، پچھلی بار جب وہاب ان کے گھر آیا تھا تو اس
 کے سیل پر صومیہ کا نمبر دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ اس نے
 فون ریسٹورنٹ کیا۔ تو فوراً ”لائسن کٹ گئی۔“

”دراصل صومیہ نے مجھے اپنا کمپیوٹر ٹھیک کروانے کو
 دیا تھا، اس کے بارے میں پوچھنا ہو گا۔“

”لیکن مجھ سے بات کیوں نہیں کی؟“

”اب اسے کیا پتا تھا فون تم اٹھاؤ گی۔“

”مطلب۔“ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

”مطلب یہ کہ وہ لڑکی کی آواز سن کر رانگ نمبر سمجھی
 ہو گی۔“ اور وہ جیسے سمجھ کر مطمئن ہو گئی لیکن آج
 ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے ہوئے جانے کیوں اپنی ٹانگیں
 کا پتی محسوس ہو رہی تھیں۔

”یہ تحفہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا، میرے لیے یہ بہت قیمتی
 ہے۔“ عیشہ ساکت نظروں سے سامنے بیٹھے وہاب کو

دیکھ رہی تھی جو صومیہ کو انگوٹھی پہنانے کے بعد اس کا
 ہاتھ تھامے ہوئے تھا اور اپنی طرف پشت ہونے کے باوجود
 وہ صومیہ کی آواز پہچان گئی تھی۔ سب سے پہلے وہاب کی
 نظر اس پر پڑی تھی۔ اس کے اڑے ہوئے رنگ پر صومیہ
 نے مڑ کر دیکھا تو اس کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا۔ اس سے پہلے
 وہ ان سے کچھ پوچھتی وہ دونوں اس کے قریب سے گزرتے
 ہوئے تیزی سے باہر نکل گئے جبکہ وہ کتنی دیر وہیں ساکت
 کھڑی رہی۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ حبیبہ نے اس کا
 کندھا ہلایا تو وہ جیسے حواسوں میں واپس آئی۔ سارا راستہ

مختلف توجہات دے کر وہ دل کو دلاسہ دینے کی کوشش کرتی رہی۔

”بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ صومیہ اس کی دوست ہے اور وہاب... وہ اس کے بچپن کا ساتھی، اس کا منگیترا۔ نہیں نہیں وہ دونوں ہی ایسا نہیں کر سکتے۔“ گھر آتے ہی اس نے وہاب کا سیل فون ٹرائی کیا۔ تین بیلز کے بعد فون آف ہو گیا اور وہ بالکل ساکت رہ گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ ڈائل کیا، فون آف تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ری ڈائل دباتی رہی اور ایک گھنٹے بعد جب اس نے فون ریسور کیا تو اس کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

”مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے، تم آرہے ہو یا میں آجاؤں۔“ وہ چھوٹے ہی بولی۔

”میں اس وقت بہت بڑی ہوں، نہیں آسکتا۔ اور تمہیں بھی آنے کی ضرورت نہیں۔“

”کیوں مجھے فیس کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔“ وہ ترخ کر بولی۔

”جو تمہاری مرضی وہ سمجھ سکتی ہو۔“ اس کی بے نیازی پر وہ کھول کر رہ گئی۔

”لیکن میرا تم سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔ کیا بات تم جانتے ہو۔“ وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

”کیا سننا چاہتی ہو سچ سچ تو پھر وہی ہے جو تم نے دیکھا۔ میں اور صومیہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔“ قیامت ٹوٹنا کیا لفظ ہوتا ہے وہ اس کیفیت کو اس پل محسوس کر رہی تھی۔ کہیں کوئی امید تھی کہ وہ تردید کر دے گا جو دیکھا وہ جھوٹ ہے، لیکن اس کی خاموشی پر دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔ وہ کتنی دیر تک خالی خالی نظروں سے ریسور کو دیکھتی رہی۔



صومیہ کو دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی جو اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی۔

”صومیہ رکو۔“ وہ گہرا سانس لے کر رک گئی۔

”کب سے مل رہی ہو وہاب سے۔“ عیشہ نے جلتی ہوئی سرخ آنکھیں اس پر لگا دیں۔

”پچھلے تین ماہ سے۔“ وہ بغیر کسی لحاظ کے گویا ہوئی۔

”ایسا بڑا دھوکا صومیہ وہ بھی دوستی کے نام پر تم نے وہاب کی وجہ سے مجھ سے دوستی کی تھی۔“ اس کے انداز پر ایشا بے

بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

”میں نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا اور نہ ہی وہاب کی وجہ سے تم سے دوستی کی تھی۔“ وہ اطمینان سے بولی۔

”یہ جاننے کے باوجود کہ وہاب میرا منگیترا ہے تم اس کی طرف بڑھیں۔“

”ایک منٹ۔“ صومیہ نے انگلی اٹھا کر اسے روکا۔

”پہلے اپنے جملے کی تصحیح کر لو۔ تمہاری صرف بات طے ہوئی تھی منگنی نہیں ہوئی تھی۔ کیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے؟“ اس نے عیشہ کا بایاں ہاتھ اٹھا کر اس کی آنکھوں کے سامنے لیرایا۔

”کوئی انگو تھی!۔“ اس کے تمسخرانہ انداز پر عیشہ کے ہونٹ بھنج گئے۔

”تم جانتی ہو حسن میری کمزوری ہے۔ وہاب نے پہلی نظر میں ہی مجھے متاثر کیا تھا، میں نے اس کی طرف محض دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ لیکن کچھ عرصے بعد میں نے محسوس کیا کہ میں اس کے لیے دوستی سے کچھ زیادہ محسوس کر رہی ہوں، میرا خیال تھا مجھے وہاب کو حاصل کرنے کے لیے کافی پریشانی ہوگی۔ کیونکہ تمہیں چھوڑنا اس کے لیے مشکل ہوگا۔ لیکن افسوس۔“ وہ مسکرائی تو عیشہ کی آنکھوں میں مرچیں سی لگنے لگیں۔

”اس نے میرے لیے تمہیں چھوڑ دیا، یہ تو قسمت ہے نا۔“ وہ مسکرائی تو عیشہ نے ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے ارد گرد گزرتے لڑکے اور لڑکیوں کو دیکھا اسے ہر چہ اپنا تمسخر اڑاتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے پلٹتے ہی ایشا جیسے ہوش میں آئی اس نے ایک دم اس کا بازو سختی سے تھام لیا۔

”لی، ہیو یور سیلف عیشہ۔“ صومیہ نے غصے سے اپنا بازو جھٹکا۔

”تم جانتی ہو نا صومیہ! وہاب میرے لیے میرے گھر والوں کے لیے کہا ہے، پلیز صومیہ اسے واپس کر دو، میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔“ اس نے سچ بچ ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

”پلیز عیشہ! وہاب کوئی چیز نہیں جسے میں واپس کر دوں وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ میرا نہیں خیال کہ وہ مجھے چھوڑے گا۔ جب کہ وہ مجھے پروز بھی کر چکا ہے۔ بہتر ہوگا تم یہ درخواست اپنے کزن سے کرو۔ شاید وہ کچھ کر سکے۔“ عیشہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے

اس چہرے سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ گھر جانے کی بجائے وہ سیدھی تاپا ابو کے گھر آگئی۔ اندر داخل ہوتے وہاب نے حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھا اور نظریں چراتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

”میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو وہاب! میرا قصور کیا ہے۔؟“ وہاب نے مڑ کر دیکھا وہ غم آنکھیں لیے دروازے پر ایستادہ تھی۔ وہ اضطرابی انداز میں سرخ بدل گیا۔

”عیشہ! میں مزید اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، صومیہ تم سے بات کر چکی ہے۔“

”تمہیں بتادیا اس نے۔“ وہ دکھ سے وہاب کو دیکھنے لگی جو نظریں چراتا تھا۔

”اچانک ایسا کیا ہوا وہاب! جو تین ماہ کے تعلق کو تم اتنے سالوں کے تعلق پر ترجیح دے رہے ہو؟۔“

”اتنے سال کے تعلق کے باوجود میں نے تمہارے لیے وہ سب کچھ محسوس نہیں کیا جو میں ان چند ماہ میں صومیہ کے لیے محسوس کرنے لگا ہوں۔ تم نے مجھے کبھی محبت کا احساس نہیں دیا۔ جب کہ صومیہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور اس کا اظہار بھی۔ تمہیں میری ہریات سے اختلاف کرنا ضروری تھا۔ جب کہ وہ وہی کرتی ہے جو میں کہتا ہوں۔ وہ مجھے وہ سب دے سکتی ہے جو مجھے چاہیے تھا۔ دولت، محبت سب کچھ۔“ عیشہ کو سامنے کھڑا شخص اجنبی لگ رہا تھا۔

”تمہارے شارٹ میں یہ راستہ بھی شامل تھا مجھے پہلے بتادینا چاہیے تھا۔“

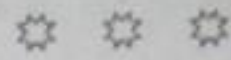
وہ دھیمی آواز میں بولی۔ ”میری مخلصانہ رائے تمہیں اختلاف لگا۔ میری حیا تمہیں سمجھوتا لگا، میری بد قسمتی ہے لیکن پھر بھی وہاب! میں یہ تعلق نہیں توڑ سکتی۔ تم تو میرے اپنے ہو اگر تم نے مجھے چھوڑا تو میں ٹوٹ جاؤں گی۔“ وہ رونے لگی تھی۔ وہاب نے اس کا چہرہ دیکھا جو ایک رات میں حال سے بے حال ہو چکا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر کسی سوچ سے پیچھا چھڑایا۔

”یہ رشتے دلوں کے ہوتے ہیں، عیشہ اور میرا دل مجھے اس تعلق کو مزید قائم رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بہتر یہی ہے کہ مزید رشتوں کو خراب کرنے کے بجائے الگ ہو جائیں۔“

عیشہ نے سر جھکا لیا اور دائیں ہاتھ سے غم و خواروں پر پھیلی نمی کو بے دردی سے صاف کیا۔

”میں چھوڑتا ہوں تمہیں۔“ اس نے چھوٹے وہاب

کی آواز سن کر وہ تلخی سے مسکرائی۔ 'باہر نکلتے ہوئے اس کی نظر چائے کا کپ تھاے سفید چہرہ لیے تالی ای پر پڑی' وہ ان کے روکنے کے باوجود نکلتی چلی گئی۔



"یہ بچوں کا کھیل تو نہیں، ابھی ہم زندہ ہیں۔ منظور! تم فکر مت کرو۔ میں وہاب کا دماغ درست کروں گا۔" تایا ابو اونچی آواز میں بول رہے تھے۔ جب کہ منظور صاحب سر جھکائے نڈھال بیٹھے تھے۔

"یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہوا، سلطان بھائی! ساری برادری جانتی ہے کہ عیشہ کی بات وہاب سے طے ہے، اتنے سالوں سے یہ رشتہ نبھار رہے ہیں۔ پھر اب اچانک وہاب کو کیا ہوا۔ اسے سمجھائیں بھابھی! میری بیٹی کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ ہم لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔"

فرحت نے ایک بار پھر دوپٹے میں منہ چھپا کر رونا شروع کر دیا۔ حبیبہ نے انہیں اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ جب کہ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔

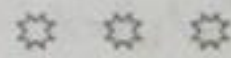
"تم فکر مت کرو فرحت! میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

"اس کا کوئی فائدہ نہیں تایا ابو! وہ صاف لفظوں میں مجھے اپنی مرضی بتا چکا ہے۔" وہ کافی دیر بعد بولی۔

"کوئی وجہ بھی تو ہو، وہ تو منہ سے کچھ بولتا ہی نہیں۔" سلطان صاحب اس کی طرف مڑے تھے۔

"کوئی اور لڑکی پسند ہے اسے۔" اس کے کہتے ہی فرحت کی سسکیاں مزید اونچی ہو گئیں۔

"اس کا سارا بھوت میں اتار دوں گا۔" تایا ابو کے پر یقین لہجے پر اس کی بھی ڈھارس بندھی، لیکن اگلے کچھ دنوں تک چھائی خاموشی اور پھر نڈھال سے تایا ابو کی آمد اس کی ہر خوش فہمی کو ختم کر گئی تھی۔



پیر ختم ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا لیکن وہ گھر جانے کی بجائے آڈیٹوریم ہال کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ اس کا گھر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا جس کی دیواروں سے اب

کوئی چھوٹی سی آواز آ رہی تھی۔ اس نے اپنے بال بپا کے اوپر سے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ وہ ابھی تک وہاں ہی تھی۔ وہ اپنے باب

کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی۔ وہ ابھی تک وہاں ہی تھی۔ وہ اپنے باب کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی۔ وہ ابھی تک وہاں ہی تھی۔

کہ انہیں وہاب کی صورت میں بننا چاہئے گا۔ اور اس

بیٹے نے کیا کیا، وہ ایک ماہ میں ہی کتنے بوڑھے لگنے لگے تھے۔ اور فرحت نجانے کن سوچوں میں گم رہتی تھیں۔ جس کسی کو رشتے کا کہتی تھیں وہ منگنی ٹوٹنے کی وجہ ضرور پوچھتا تھا اور اس وقت ان کا چہرہ دیکھنے کے لائق ہوتا۔ شروع دنوں کے بعد اس نے خود کو سنبھال لیا تھا کہ اس کا دکھ ان کو مزید نڈھال کر دے گا۔ لیکن تنہا ہوتے ہی اس کا دل چاہتا تھا وہ خوب روئے۔

ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے کھڑی ہو گئی گھر تو جانا تھا اور فرار کے لیے یونیورسٹی تو صرف ایک بہانہ تھی۔ آج آخری پیر کے ساتھ یہ بہانہ بھی ختم ہوا۔ اس نے نظر اٹھا کر اس عمارت کو دیکھا اور دھیرے دھیرے سیڑھیاں اترنے لگی۔ سامنے سے آتے شخص کو دیکھ کر گیٹ کی طرف بڑھتے اس کے قدم رک گئے۔ وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سامنے تھا۔

"ہیلو، شکر ہے آپ مل گئیں۔ اس دن آپ اچانک چلی گئی تھیں۔" اس کے بے تکلف انداز پر وہ حیران رہ گئی۔

"وہ بس ایسے ہی۔" وہ ٹالنے کی غرض سے بولی۔ "چلیں اس سے پہلے کہ آپ پھر غائب ہو جائیں، کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟"

"عیشہ منظور۔"

"نائیس نیم میرا نام آفاق ہے۔"

"ہوں۔۔۔۔۔" وہ مسکرائی "آپ یہاں؟"

"جی یہاں میری چھوٹی سسٹر پڑھتی ہے۔ آج اس کا لاسٹ پیر تھا تو سوچا اسے پک کر لوں لیکن لگتا ہے وہ جا چکی ہے۔" وہ ہال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کون سے ڈپارٹمنٹ میں پڑھتی ہیں؟"

"انگلش ڈپارٹمنٹ میں۔"

"اوہ ریسی میری سسٹر بھی یہیں ہے۔ شاید آپ جانتی ہوں صومیہ کو۔" عیشہ کو جھکا لگا تھا۔ اس نے غور سے

اس کا چہرہ دیکھا۔ تقریباً وہی نقش تھے اسی لیے اسے اس چہرے میں یہ چہرہ بھی نظر آتا تھا۔

"میں ہر دفعہ آپ سے۔۔۔۔۔" اس کے غیر معمولی تاثرات پر اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی اور وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ بھاگنے کے سے انداز میں گیٹ کی طرف بڑھی جب کہ وہ ہکا بکا اسے جاتا دیکھتا رہا۔



اس کے اندر داخل ہوتے ہی وہ تینوں ایک ساتھ چپ ہوئے تھے۔

”کیا بات ہے؟“ وہ ایک ایک کا چہرہ پڑھتی ہوئی فرحت کے قریب بیٹھ گئی۔

”کچھ نہیں، کچھ سامان منگوانا تھا تو سوچ رہی تھی کہ سامنے سے حمزہ کو بلا لوں۔“

”مگر میں نے ابھی سنا تھا کہ آپ کرائے کی بات کر رہی تھیں۔؟“ وہ گڑبڑا کر رہ گئیں۔

”نہیں، وہ کرایہ تو.....“

”پلیز ای! مجھ سے صاف بات کریں۔“ ان کو ٹالتے دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو گیا۔

”دراصل پچھلے دو ماہ سے دکانوں کا کرایہ نہیں آ رہا۔ تمہارے تایا کو فون کیا تھا ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں سوچ رہی تھی وہ اب کو.....؟“

”کوئی ضرورت نہیں۔“ اس نے غصے سے ان کی بات کاٹی۔

”آپ تایا ابو کو بھی منع کر دیں۔“ فرحت نے گھبرا کر منظور صاحب کو دیکھا۔

”تو بیٹا! کرایہ کون لائے گا۔“ منظور صاحب کے کہنے پر وہ ایک پل کے لیے خاموش ہوئی۔

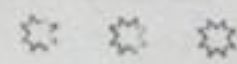
”میں لے کر آؤں گی۔“

”تم...!“ ان کے ساتھ حبیبہ اور فرحت نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

”ابو پلیز، جو کام میں کر سکتی ہوں، اس کے لیے ہمیں دوسروں کا احسان لینے کی ضرورت نہیں۔“

”تم اکیلی جاؤ گی؟“ اسے اٹھتا دیکھ کر فرحت نے فکر مندی سے پوچھا۔

”میں حبیبہ کو ساتھ لے جاتی ہوں۔“ اس کے نکلتے ہی منظور صاحب نے بے بسی سے اپنی ٹانگوں کو دیکھا تھا۔



”مس عیشہ! پیچھے سے آتی آواز پر اس کے قدم ایک پل کے لیے نہنہکے، وہ مڑے بغیر اس شخص کو پہچان گئی تھی۔ اس کی پیشانی کانوں کو دھو گئی۔ اس کے منہ کی

چلنا شروع کر دیا۔ وہ بھاگتا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا۔

”مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“

”لیکن مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ وہ رکے بغیر رکھائی سے بولی جب کہ حبیبہ حیرت سے ان کے ساتھ ساتھ چلتے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔

”وہی تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ اس دن بھی پونہ چلی گئیں۔ میں تب سے پریشان ہوں۔ آپ مجھ سے کس بات پر خفا ہیں؟“ وہ یک دم رک گئی۔

”خفا ہونے کے لیے کسی رشتے کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ میں تو آپ کو جانتی بھی نہیں۔“ وہ حبیبہ کا ہاتھ تھام کر سامنے بڑھی تو وہ ایک دم سے اس کے آگے آگیا۔ غصے سے عیشہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”آپ اس وقت بازار میں کھڑے ہیں مسٹر آفاق! آپ کا تو پتا نہیں لیکن مجھے اپنی عزت کی پروا ہے۔“ وہ دھیمی آواز میں غرائی تو اس نے نادم ہو کر ارد گرد نظر دوڑائی۔

جہاں آتے جاتے لوگ مڑ مڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔

”آپ اپنا فون نمبر دے سکتی ہیں۔؟“ عیشہ نے بڑے ضبط سے کام لیا اور ہونٹ بھیج کر خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا۔

”آپ مجھ سے چاہتے کیا ہیں؟“

”میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ ساکت رہ گئی۔ جب کہ ماجرا سمجھنے کی کوشش میں حیران پریشان کھڑی حبیبہ کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں۔ اس نے غور سے اپنے سامنے کھڑے اس شاندار سے شخص کو دیکھا جو پہلی نظر میں ہی کسی کو بھی متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا۔؟“ عیشہ نے سنبھل کر اس کا چہرہ دیکھا۔

”آپ یہی سمجھ لیں۔“ آفاق کے چہرے پر اس کی مخصوص مسکراہٹ پھر ج گئی تھی۔ جب کہ اس کی مسکراہٹ پر اس کے چہرے پر طیش نظر آنے لگا۔

”آپ سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں کسی گاڑی کے نیچے آکر مرجاؤں۔“ اور پھر اسے مزید کوئی موقع دیے بغیر حبیبہ کو کھینچتے ہوئے رکشے کی طرف بڑھ گئی۔ جب کہ وہ اس کے چہرے کے تاثرات پر ابھی تک ساکت کھڑا تھا۔

”باجی، آپ میرے ساتھ کالج چلیں گی؟“ حبیبہ کی رونی صورت دیکھ کر اس نے ریموٹ سائڈ پر رکھ دیا۔

”تھرڈ ایئر کے دل سے شروع ہو چکے ہیں اور کل آخری ڈیٹ ہے پھر بہت رش ہو جائے گا۔“ اس کی شرمندہ سی شکل دیکھ کر عیشہ مسکرا دی۔

”اچھا چلو‘ میں کپڑے بدل کر آتی ہوں۔“ راستہ بھر وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوتی رہی۔

”پہلے یہ سب کام ہمیشہ وہاں کرتا تھا لیکن اب تو.....“ ”باجی یہاں تو بہت لمبی لائن ہے۔ مجھے تو ابھی مار کس شیٹ کی فوٹو کی کاپی بھی کروانی ہے۔“ حبیبہ کی دہائی پر اس نے غصے سے اسے دیکھا۔

”جاؤ لائن میں کھڑی ہو جاؤ۔ میں فوٹو کاپی کروا کے لاتی ہوں۔“ وہ مار کس شیٹ لے کر کالج سے باہر بنی فوٹو شاپ کی طرف بڑھنے لگی۔

”شاید اور کتنی دیر ہے؟“ آفاق نے آکتا کر کھڑی سے باہر سر نکال کر دیکھا جو گاڑی کا ٹائمر بدل رہا تھا۔

”بس سر! پانچ منٹ۔“ آفاق نے سر جھٹک کر دائیں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ سڑک کے اس پار کالی چادر میں چمکتا چہرہ اسے اپنی نظروں کا دھوکا لگا۔ کیونکہ آج کل ہر بل ہر جگہ اس کا گمان ہوتا تھا۔ وہ تصدیق کے لیے بے اختیار باہر نکل آیا۔ فوٹو کاپی کروا کر وہ دکان سے باہر نکل آئی۔ لیکن سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا۔ ”پتا نہیں اس شخص کو الہام ہوتا ہے کہ جہاں میں ہوتی ہوں وہی پہنچ جاتا ہے۔“ جب کہ اس کی سوچ کے برعکس آفاق بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا جہاں پہلے کی طرح غصہ نہیں تھا اس کے دل کو اطمینان ہوا۔ وہ اسے نظر انداز کر کے کالج والی سڑک کی طرف بڑھنے لگی۔ لیکن ساتھ چلتے شخص سے اسے الجھن ہونے لگی تو وہ رک گئی۔

”آپ کیوں مجھے فالو کر رہے ہیں؟“

”آپ کو فالو کرنے کی کئی وجوہات ہیں پہلی یہ کہ میں آپ کے گھر کا ایڈریس جانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ صرف آپ سے بات کرنے کے لیے میں نے آپ کو کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔ اس اسکول میں جہاں پہلی بار میں آپ سے ملا تھا۔ حتیٰ کہ اس شاپنگ سینٹر میں بھی دوسری وجہ آپ کی ناراضی‘ آپ نے کہا تھا ناراضی کے لیے رشتہ ہونا ضروری ہے۔“

”میں آپ کو جواب دے چکی ہوں۔“ اس نے رخ

موڑ لیا۔

”انکار کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟“

”میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔“

”لیکن میں جانا چاہتا ہوں۔“ وہ کچھ کے بغیر آگے بڑھ گئی۔

”میں آپ کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔“

”شوق سے۔“ پیچھے سے آتی آواز پر وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ فوٹو کاپی حبیبہ کو پکڑا کر وہ پیچ پر بیٹھ گئی۔

”رہ رہ کر اسے غصہ آرہا تھا۔“

”عیشہ یہ شخص تمہیں پسند کرتا ہے۔ شادی بھی کرنا چاہتا ہے۔“

”تو دماغ کی اطلاع پر اس نے تنگ کر سوچا۔“

”وہ صومیہ کا بھائی ہے۔“

”تو۔“ اب کی بار اس نے کچھ سمجھنا چاہا تھا اور دماغ

نے جو اسے سمجھایا اس کے بعد اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

”حبیبہ! دو تین لڑکیاں اور ہیں تم فارم جمع کروا کر باہر

آجانا میں گیٹ کے پاس کھڑی ہوں۔“ حبیبہ کے سر ہلانے

پر وہ تیزی سے باہر آئی۔ وہ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا

تھا، وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گئی۔

اسے دیکھ کر وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

”میں نہیں جانتی آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں۔“

”لیکن اگر صرف وقت گزاری کر رہے ہیں تو بالکل غلط جگہ

اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔“

”وقت گزاری کرنی ہوتی تو میں آپ کو پروپوز نہ کرتا اور

کیا میں شکل سے آپ کو فکر نہ لگتا ہوں؟“

”شکل ہمیشہ دھوکا دیتی ہے۔“ وہ مسکرا دیا۔

”آپ کو مجھ پر شک کرنے کا حق ہے، لیکن میں آپ کو

اپنی شرافت کا ثبوت دے سکتا ہوں۔ آپ اپنے گھر کا

ایڈریس دے دیں۔“ عیشہ نے غور سے اس کی شکل

دیکھی۔

”آپ شاید جانتے نہیں، میرا تعلق ٹل کلاس سے

ہے۔“ وہ اسے پرکھ رہی تھی۔

”مجھے تو اس سے فرق نہیں پڑتا، کیا آپ کو میری کلاس

پر اعتراض ہے۔“

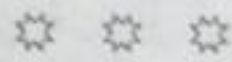
”اگر میں کہوں کہ مجھے آپ پہ اعتراض ہے تو۔“ وہ

حیران ہوا پھر مسکرا دیا۔

”آپ بتائیں میں اس اعتراض کی وجہ کو ختم کر دوں گا۔“

اور اسی وقت دماغ نے اوکے کا سگنل دے دیا۔ حبیبہ واپس آئی تو ان دونوں کو آمنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔
”میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں ویسے بھی مجھے آپ کا ایڈریس جاننے کے لیے آپ کو فالو کرنا ہی ہے۔“ عیشہ اسے دیکھنے سے گریز ہی کر رہی تھی کیونکہ اس چہرے میں نظر آتا دوسرا چہرہ اس کے چہرے پر جو تاثرات لاتا تھا وہ اب انہیں اس شخص پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ خاموشی سے گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ جب کہ حبیبہ آج بھی ماجرا سمجھنے کی کوشش میں حیران تھی۔

”کل میں اپنی مدر کو آپ کی طرف بھیج دوں گا۔“ گاڑی سے اترتے ہوئے آفاق نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ حبیبہ کا دل اور زبان دونوں اللہ سے دعا مانگنے لگے تھے کہ عیشہ ہاں کر دے اور عیشہ کے مسکرانے پر جیسے وہ کھل اٹھا تھا۔ اس نے غور ہی نہیں کیا کہ سامنے گھڑی لڑکی کی آنکھیں اس مسکراہٹ کے بالکل برعکس ہیں۔ اگر وہ ان آنکھوں کو پڑھ لیتا تو شاید کبھی مسکرا نہ پاتا۔



”السلام علیکم! اندر داخل ہوتے ہی اس نے با آواز بلند سلام کیا تھا۔“

”کہاں تھے یا ر! کب سے انتظار کر رہا ہوں۔“ اس کے قریب بیٹھتے ہی حسن نے اسے دیکھ کر کہا۔

”بتاتا ہوں۔“ وہ دھیمی آواز میں کہتے ہوئے سامنے بیٹھی صومیہ اور زرین کی طرف متوجہ ہوا۔

”یہ کس کی تصویریں ہیں؟“ اس نے صومیہ کے ہاتھ میں تھامی تصویروں کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ سب آپ کے لیے ہیں۔ اب آپ جلدی سے بتائیں۔ ان میں سے آپ کو کون سی پسند ہے۔ اور اس بار ان میں سے کسی ایک کو آپ کو پسند کرنا ہی پڑے گا۔“ وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے دھونس سے بولی۔

”زبردستی ہے کیا۔“

”بالکل درست ہے۔“ وہ تصویریں آفاق کے ہاتھ میں تھامیں۔

”مجھے تو کون سی پسند ہے؟“ وہ تصویریں میز پر رکھ دیں، جنہیں حسن نے فوراً اٹھالیا۔

UrduPhoto.com

”دیکھئے بغیر کیسے کہہ دیا تم نے۔“ زرین نے حیرت سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

”یہ شادی نہ کرنے کے بہانے ہیں۔“ صومیہ کے منہ پھلانے پر آفاق نے مسکرا کر اسے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔ بس ان میں سے کوئی تمہاری بھابھی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ تمہاری بھابھی میں نے پسند کر لی ہے۔“ صومیہ اور زرین نے حیرت سے اسے دیکھا۔ جب کہ لڑکیوں کی تصویریں دیکھتا حسن اچھل پڑا۔

”کون؟“ وہ بے تابی سے بولا۔

”وہی۔“ وہ زیر لب مسکرایا۔

”یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہو۔“ زرین اٹھ کر ان کی قریب آئیں۔

”ہاں کر دی اس نے؟“

”ہوں۔“

”حسن بھائی مجھے بھی بتائیں نا۔“ صومیہ بے چینی سے آگے ہوئی۔

”تم تو کہتے تھے تمہیں اس کا اتنا پتا نہیں معلوم، تو ملی کہاں؟“ حسن نے اپنے شک کا اظہار کیا۔

”گر لڑکالچ کے باہر۔“

”او میرے خدا، کیا زمانہ آگیا ہے، سن رہی ہیں آنٹی آپ!“

اس نے مسکراتی ہوئی زرین کو مخاطب کیا۔

”پلیز بھائی! آپ مجھے بتائیں۔ وہ کون ہے، رہتی کہاں ہے، مجھے ابھی لے کر جائیں۔ میں وہاں سے بات چلی کروا کر اٹھوں گی۔“ صومیہ کی ایکسائنمنٹ دیکھنے کے لائق تھی۔

”ممی! دراصل اس کا تعلق ہماری کلاس سے نہیں۔“

آفاق نے کہتے ہوئے غور سے ماں کا چہرہ دیکھا۔ اور اس کی نظریں سمجھ کر وہ مسکرا دیں۔

”تمہیں کیوں لگا آفاق! کہ تمہاری ماں اسٹینٹس کا نشس ہے۔ وہ گھر، وہ جگہ میرے لیے بہت اہم ہیں، کیونکہ وہاں وہ لڑکی رہتی ہے جو میرے بیٹے کی پسند ہے۔“

اور آفاق جیسے پرسکون ہو گیا۔

”پھر آپ کل صومیہ اور حسن کے ساتھ چلے جائیے گا۔ ایڈریس میں حسن کو بتا دوں گا۔“

”اچھا بھری مجھے بازار لے چلو، میں کچھ شاپنگ کر لوں۔“

گئے۔

”بس۔“ زریں نے ناگواری سے اسے ٹوک دیا۔
 ”تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ لوگوں کے پاس زیادہ
 وقت نہیں ہوتا۔ ایسی باتیں سوچنے کے لیے۔ اور پھر آفاق
 کے ساتھ شادی کے بعد وہ آفاق کے حوالے سے جانی
 جائے گی۔ ہماری فیملی اس کا حوالہ بنے گا۔ تم نے شاید غور
 نہیں کیا تمہارا بھائی کتنا خوش ہے۔ میں یہ سب سوچ سکتی
 تھی لیکن آفاق کی خوشی سے زیادہ تو کچھ نہیں۔ اور تم بھی
 خود کو ٹھیک کرو۔ ورنہ تمہارے بھائی کو برا لگے گا۔“

اس کا مضطرب چہرہ دیکھتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں۔ اور ان
 کے باہر نکلتے ہی اس نے تکیہ اٹھا کر کارپٹ پر بیٹھ دیا۔ وہ یہ
 سب روکنا چاہتی تھی، لیکن بے بس تھی۔ بھائی سے بات
 کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ کیا بتا کر منع کرتی۔ مُمی
 کو روکنا چاہا تو وہ بھی اس کی حامی نکلیں۔ تھک کر وہ لیٹ
 گئی۔

”ہو سکتا ہے عیشہ کو پتا نہ ہو آفاق بھائی کے بارے
 میں اور جب پتا چلے گا تو وہ منع کر دے گی۔ اتنا تو میں اسے
 جانتی ہوں۔“ کافی دیر بعد اسے یہ خیال آیا تھا لیکن اس
 خیال کے آتے ہی وہ پرسکون ہو گئی تھی۔ جب وہ لاؤنج میں
 آئی تو آفاق آفس سے آچکا تھا۔ اسے گھر میں دیکھ کر وہ
 حیران ہوا۔

”ارے صومیہ تم گئیں نہیں؟“
 ”میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ سوچا پھر چلی جاؤں
 گی۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آگئی۔
 ”کیا ہوا تمہیں؟“ آفاق نے فکر مندی سے اس کی
 پیشانی کو چھوا۔

”بس سر میں درد تھا۔“ اس کے اسی پیارے پر تو وہ نہال
 ہو جاتی تھی۔

ہارن کی آواز پر وہ دونوں ہی چونکے تھے۔ کچھ دیر بعد
 مسکراتے چہروں کے ساتھ حسن اور زریں اندر داخل
 ہوئے تھے۔ زریں نے آگے بڑھ کر آفاق کی پیشانی چونی۔
 ”بہت خوبصورت ہے۔ بہت پیاری اللہ تم دونوں کو
 خوش رکھے۔“ وہ اسے دعا دیتے ہوئے ابیدہ ہو گئیں۔ تو
 اس نے مسکرا کر انہیں اپنے مضبوط بازوؤں میں سمیٹ
 لیا۔

”کم آن آنی! اتنی خوشی کے موقع پر یہ آنسو بالکل اچھے
 نہیں لگتے اور یہ جو آنٹی نے تمہیں پیار کیا ہے یہ تمہیں

پہلی بار خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں لگتا۔“

”مُمی کو دیکھیں۔ کتنی جلدی ہے۔“ صومیہ نے
 شرارت سے ماں کا چمکتا ہوا چہرہ دیکھا۔
 ”اور اپنے بھائی کو نہیں دیکھا۔“ حسن نے صومیہ کو
 آفاق کی طرف متوجہ کیا جس کے چہرے پر بہت خوبصورت
 رنگ تھے۔

”اچھا بھائی! بھابھی کا نام تو بتادیں۔“

”عیشہ“ صومیہ کی مسکراہٹ ماند پڑی تھی پھر اس
 نے سر جھٹک دیا۔ ”دنیا میں ایک ہی عیشہ تو نہیں۔“
 ”تمہارے ساتھ ہی تمہارے ڈپارٹمنٹ میں پڑھتی
 تھی۔“ اب حسن بولا تو اس کی دھڑکن رک سی گئی۔
 ”گھر کہاں ہے ان کا؟“ آفاق اسے ایڈریس سمجھا رہا
 تھا جب کہ کمرے کی دیواریں اسے خود پر گرتی محسوس
 ہو رہی تھیں۔



”ثروت! سارا سامان گاڑی میں رکھواؤ۔ آفاق! حسن کو
 فون کرو ابھی پہنچا نہیں۔“ باہر سے زریں کی چمکتی ہوئی
 آواز پر اس نے بمشکل خود کو نارمل کیا۔
 ”ارے تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔“ اسے ایسے
 ہی بیٹھا دیکھ کر وہ حیران ہوئیں۔

”مُمی! آپ کو لگتا ہے بھائی ٹھیک کر رہے ہیں؟“
 ”کیا مطلب!“ مطلب وہ لڑکی کیا وہی رہ گئی ہے بھائی
 کے لیے۔ ہمارے جاننے والوں میں کتنی خوبصورت پڑھی
 لکھی لڑکیاں ہیں اور پھر سب ہماری طرح ویل آف
 ہیں۔

جب کہ وہ لڑکی..... اسے میں جانتی ہوں، ایک دوبار
 اس کے گھر بھی گئی ہوں۔ وہ لوگ کسی طرح بھی ہمارے
 مقابلے کے نہیں۔ ہاں وہ خوبصورت ہے بس۔ اور بھائی
 اس کے بارے میں بھلا کیا جانتے ہیں۔“
 ”تو تم کیا جانتی ہو؟“ خاموشی سے اس کی باتیں سنتی
 زریں نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ گڑبڑا گئی۔
 ”میں.....“ وہ کوئی بہانہ سوچنے لگی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

دراصل ان کی طرف سے داد ہے۔ عیشہ جیسی بہو ڈھونڈنے پر۔ ”اور زرین اس کے کندھے پر چپت لگا کر مسکرا دیں۔“

”لو بھئی دولہ! تمہاری بات تقریباً“ طے سمجھو، کل عیشہ بھابھی کی والدہ اور ہو سکتا ہے ان کے تایا آئیں والد محترم معذوری کے باعث چل نہیں سکتے۔ ایک بینک میں تھرو گریڈ آفیسر تھے۔ عیشہ بھابھی اپنے والدین کی اکلوتی نور نظر ہے، ایک اور محترمہ حبیبہ صاحبہ بھی رہتی ہیں۔ جو ان کی رشتہ دار ہیں۔ لیکن بہن جیسی ہے۔ سو ایک عدد سالی رکھنے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہو گا۔ اتنا کافی ہے یا کچھ اور بتاؤں؟“ حسن نے ایک سانس میں بولنے کے بعد آفاق کا چہرہ دیکھا جو بڑی دلچسپی سے ساری اطلاعات سن رہا تھا۔

”اور کیا ہے؟“

”دیکھ رہی ہیں آنٹی۔“ حسن نے شرارت سے زرین کو دیکھا۔

”تمہارے مطلب کی بات بتاتا ہوں۔ عیشہ بھابھی نے پیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ چہرہ میک اپ کے بغیر تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی دو منٹ کے لیے مجھے سکتہ ہوا تھا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی رہیں میں وقتاً فوقتاً ان سے بات کر کے یہ پتا کر لیتا تھا کہ وہ جاگ تو رہی ہیں۔“ آفاق قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

جب کہ اسے یوں خوش دیکھ کر وہ نہال ہو گئیں تھیں۔ انہوں نے صومیہ کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

وہ بالکل نہیں چاہتی تھیں کہ آفاق کو صومیہ کی ناپسندیدگی کی بھنک بھی پڑے اور اس کا دل برا ہو۔

”اور یہ سب کچھ اس چٹنگی کی وجہ سے ہوا ہے جو پہلی بار میں ہی کامیابی کا سہرا ہمارے سروں پر سجا ہے۔“ حسن نے صومیہ کی طرف اشارہ کیا تو وہ گڑبڑا گئی۔

”یہ عیشہ بھابھی کی فرینڈ ہے۔ پلے وہ لوگ کچھ گھبرائے ہوئے تھے، لیکن اچانک صومیہ کا ذکر ہوا اور پھر تفصیل جان کر وہ بالکل مطمئن ہو گئے۔“

”آفاق نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ بڑی دقت سے مسکرائی۔“

”اچھا چھوڑو، کل وہ لوگ آئیں گے تو میں انہیں کہوں گی کہ شادی کی ڈیٹ جلدی سٹے کر دیں۔“ زرین کے کہنے پر وہ مسکرایا تو حسن کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”تھوڑا شرمایا لو، نکلفا“ ہی کہہ دو کہ ممی اتنی جلدی کیا ہے؟“

”کیوں کہوں۔“ وہ جیسے مزہ لیتے ہوئے بولا۔

”اس کا مطلب ہے جلدی ہے۔“ حسن کے قہقہے میں زرین کی ہنسی بھی شامل ہوئی تو اس نے بمشکل اپنے قہقہے کو قابو کیا۔ جب کہ صومیہ کا سارا وجود جل رہا تھا۔

یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس کا بھائی اسے بھولا تھا۔ اور یہ بھی عیشہ کی وجہ سے تھا۔

”وہ ابھی آئی بھی نہیں تو یہ حال ہے۔“ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”عیشہ یہ سب کیوں کر رہی ہے؟“ سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگی تھیں۔

”اسے روکنا ہو گا ہر حال میں۔“ اس نے سوچا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



جب سے وہ لوگ عیشہ کو انگوٹھی پہنا کر گئے تھے تب سے کمرے میں بیٹھے وہ تینوں نفوس حیران تھے۔ لیکن ان تینوں کی حیرت ایک دو بجے سے مختلف تھی۔ منظور اور فرحت اپنی خوش قسمتی پر حیران تھے۔ جب کہ حبیبہ وہ تو حیران سے زیادہ پریشان تھی۔ اس نے اس شاندار شخص کو دیکھتے ہی پاس کر دیا تھا۔ اور تصور ہی تصور میں اس نے ان دونوں کو ساتھ کھڑا کر کے بے اختیار چاند سورج کی جوڑی قرار دیا تھا۔ آفاق کی والدہ اور اس کے ساتھ صومیہ کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ لیکن جب اسے پتا چلا کہ آفاق صومیہ کا بھائی ہے تب سے لے کر اب تک وہ اپنی سوچ پر کئی بار لعنت بھیج چکی تھی۔ انگوٹھی پہنائے جانے تک وہ اس کے انکار کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا، اسے لگا شاید عیشہ آفاق کے بارے میں نہیں جانتی۔ لیکن یہ جان کر اسے زبردست شاک لگا تھا کہ وہ حقیقت جاننے کے باوجود اس سے شادی کر رہی ہے۔ وہ اس سے وجہ پوچھنا چاہتی تھی لیکن اس کے پتھر لے تار تار دیکھ کر اس کی ہمت جواب دے جاتی تھی۔

”باجی۔ باجی! حبیبہ کی گھبرائی ہوئی آواز پر عیشہ بیٹھ

شیت بچھاتے ہوئے رکی۔
 "وہ وہاب بھائی کا فون ہے۔"
 "فون بند کر دو۔" وہ دوبارہ بیڈ شیت بچھانے لگی۔
 "اچھا رکو۔" کچھ سوچ کر اس نے حبیبہ کو منع کیا۔
 "کیسی ہو عیشہ؟" اس کی آواز سننے ہی بڑے نرم لہجے میں اس کا حال دریافت کیا گیا۔

"اللہ کا شکر ہے آپ بتائیں کیسے زحمت کی۔؟" اس کے روکھے لہجے پر وہ کتنی دیر تک کچھ بول ہی نہیں سکا۔
 "اگر آپ کا پی ٹی سی ایل فری ہو گیا ہے تو اس آفر کا فائدہ کہیں اور اٹھائیے۔ میرے پاس آپ کی خاموشی کو سمجھنے کے لیے فالتو وقت نہیں۔"
 "عیشہ! تم ایسے بات کیوں کر رہی ہو؟"
 "کیا مطلب ایسے بات کیوں کر رہی ہوں۔" وہ تنک کر بولی۔

"میں نے تمہارے لیے۔۔۔۔۔"
 "پلیز کم ٹو دا پوائنٹ۔" اس نے اکتا کر وہاب کی بات کاٹی۔
 "تم اتفاق سے شادی کیوں کر رہی ہو؟"
 "میرا خیال ہے یہ میرا پرسل میٹر ہے۔"
 "دیکھو عیشہ تم مجھے بے شک غیر سمجھو لیکن تم میرے لیے آج بھی وہی عیشہ ہو میں تمہارے ساتھ برا ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ ان کے ساتھ ہمارا کوئی جوڑ نہیں کل کو تمہیں کافی مشکلات ہو سکتی ہیں۔" وہ ایک دم ہنس پڑی تھیں۔

"مشورے کے لیے شکریہ واقعی تمہیں میری کتنی فکر ہے، میرا جوڑ بے جوڑ اور تمہارا اور صومیہ کا جوڑ بہترین جوڑ کیا بات ہے۔" اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ وہ پھر خاموش ہو گیا۔
 "صومیہ بہت پریشان ہے۔"
 "او تو اصل بات یہ ہے۔ آپ کو تو بڑی تکلیف ہو رہی ہوگی۔ صومیہ کی پریشانی سے۔" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

"صومیہ کو اگر اتنی ہی تکلیف ہے تو اس سے کہیں عیشہ! تم ایسے بات کیوں کر رہی ہو؟"
 "میں کیا دنیا سے نرالا کر رہی ہوں۔ سب ہی تو شادی کرتے ہیں۔" اس کے حیران انداز پر صومیہ کے ہونٹ بھنج گئے۔
 "میرے بھائی سے شادی کیوں کر رہی ہو؟"
 "تمہیں کیا لگتا ہے؟" عیشہ مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔
 "اس سب میں میرے بھائی کا کیا قصور ہے؟" اب اس کی آواز کا جوش ماند پڑ گیا تھا۔

"صومیہ! آج کتنے دنوں بعد آئی ہو۔" فرحت آج اسے عیشہ کی دوست کی بجائے متوقع نند کے طور پر ٹیٹ کر رہی تھیں۔
 "آئی! مجھے عیشہ سے ملنا ہے۔"
 "جاؤ بھئی اب تمہیں اپنی بھابھی سے مطلب ہے۔ وہ اپنے کمرے میں ہے۔" وہ ہنس کر بولیں تو عیشہ کی نظرس دروازے پر جم گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ لال بھبھو کا چہرہ لیے اس کے سامنے آئیں۔ اس کے حلقے دل پر جیسے پھوار پڑی تھیں۔ اس نے واقعی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔
 "کیوں کر رہی ہو تم یہ سب۔؟"
 "میں کیا دنیا سے نرالا کر رہی ہوں۔ سب ہی تو شادی کرتے ہیں۔" اس کے حیران انداز پر صومیہ کے ہونٹ بھنج گئے۔
 "میرے بھائی سے شادی کیوں کر رہی ہو؟"
 "تمہیں کیا لگتا ہے؟" عیشہ مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔
 "اس سب میں میرے بھائی کا کیا قصور ہے؟" اب اس کی آواز کا جوش ماند پڑ گیا تھا۔

”جو تم نے میرے ساتھ کیا، کیا میں جان سکتی ہوں۔“
اس میں میرا کیا قصور تھا؟۔“
”بدلہ لے رہی ہو؟۔“

”بالکل۔“ وہ مزے سے بولی۔

”تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ تمہیں یہ سب ختم کرنا ہو گا۔“ وہ اضطرابی انداز میں سہلنے لگی۔ اس کے سامنے اپنے بھائی کا چہرہ گھومنے لگا تھا۔

”بھئی میں کیوں ختم کروں، میں تو تمہارے بھائی کے پاس نہیں گئی تھی کہ مجھے پروپوز کریں وہ خود آئے تھے بلکہ بار بار آئے تھے۔ میرا خیال ہے تم یہ درخواست اپنے بھائی سے کرو۔ شاید وہ کچھ کر سکیں۔“ عیشہ نے اسے اس کے الفاظ لوٹائے تھے۔ ضبط کے مارے صومیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”پلیز عیشہ! تم جانتی ہو آفاق بھائی میرے اور می کے لیے کیا ہیں۔“

”جانتی ہوں اسی لیے تو یہ سب کر رہی ہوں۔“ وہ مسکرائی تھی۔

”پلیز عیشہ! میرے بھائی بہت اچھے ہیں۔ وہ تمہاری نفرت ڈیزرو نہیں کرتے۔ تم انکار کر دو، انہیں وقتی طور پر دکھ ہو گا۔ لیکن پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ عیشہ کچھ دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی، پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

”بڑی تکلیف ہو رہی ہے، صومیہ! مجھے بھی ہونی تھی۔“

تمہاری وجہ سے میرے سارے گھر والوں کو ہونی تھی۔ وقت ایک موقع تو سب کو دیتا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتی تھی۔ وہ موقع مجھے اتنی جلدی ملے گا۔ اور بری تو میں بھی نہیں تھی جو اتنی تکلیف ڈیزرو کرتی۔“ وہ دکھ سے بولی۔

”اور کیسی بہن ہو تم، اپنے بھائی کی خوشی تمہیں برداشت نہیں ہو رہی؟“ بولتے بولتے اس نے پھر دل جلانے والی مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔ صومیہ کا ہاتھ ایک دم اٹھا تھا لیکن پھر فضا میں ہی معلق رہ گیا۔ عیشہ کی آنکھوں میں اتنی نفرت تھی کہ وہ بے جان ہو کر اس کے پہلو میں لٹنے لگا۔

”یہ تھپڑ تمہیں بھائی پر ملتا تھا،“ عیشہ نے اسے وارن کیا۔

”میں بھائی کو تمہاری اصلیت بتا دوں گی۔“ صومیہ کی دھمکی پر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”وہ آئے دنوں سے اس کا انتظار کر رہی ہو۔“ ضرور

بتاؤ، لیکن ساتھ میں یہ ضرور بتانا کہ میرے یہ سب کچھ کرنے کی وجہ کیا ہے۔“

”میں تمہیں دیکھ لوں گی۔“ صومیہ تلملا کر دروازے کی طرف بڑھی۔

”ضرور دیکھنا، کچھ دنوں میں تمہارے گھر ہی آرہی ہوں، تمہاری بھابھی بن کر، تمہارے بھائی کو بہت جلدی ہے۔“ اس کے مسکراتے لمبے پر صومیہ نے زوردار آواز سے دروازہ بند کیا تو اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر آنسوؤں کو باہر نکلنے سے روکا تھا۔

”باجی!“ جیبہ کی بھرائی ہوئی آواز پر اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

”پلیز باجی، ایسا مت کریں۔ آپ کسی کی نہیں، خود اپنی زندگی برباد کر رہی ہیں۔ وہ شخص بھی تو صومیہ کا بھائی ہے۔“

کیسا ہو گا۔ اور جب اسے پتا چلے گا کہ آپ نے اس سے شادی کیوں کی، تو جانتی ہیں اس کا انجام کیا ہو گا؟“ جیبہ نے برستی ہوئی آنکھوں سے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا۔ وہ کب سے خاموش تھی لیکن آج صومیہ اور عیشہ کی باتیں سن کر وہ خاموش نہیں رہ سکی۔

عیشہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”سب پتا ہے جیبہ! سب سوچا تھا۔ لیکن تم اس درد کو محسوس نہیں کر سکتیں جو مجھے ملا ہے۔ محبت کے نام پر، دوستی کے نام پر، اعتماد کے نام پر، کوئی ایسا بھی کرتا ہے؟ میں جانتی ہوں وہ صومیہ کا بھائی ہے، میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی دیکھی تھی۔ لیکن جب میں نے اس سے شادی کا فیصلہ کیا، میرے ذہن میں وہ شخص، اس کی پسندیدگی، اس کی امارت کچھ نہیں تھا۔ بس اتنا یاد تھا کہ صومیہ اس شخص سے بہت محبت کرتی ہے۔ اتنی کہ اگر اس شخص کو تکلیف ہوگی تو وہ تڑپے گی۔ اتنا تو جانتی ہوں جب محبت کے جواب میں بے رحمی ملے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اور تم جس انجام کا ذکر کر رہی ہو۔ اس سے آگاہی بھی ہے مجھے۔ جب میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا تو وہ چہرہ مجھے جانا پہچانا لگا تھا۔ پتا ہے کیوں، کیونکہ اس کے نقوش اس چہرے سے بہت ملتے ہیں۔ جس سے میں نفرت کرتی ہوں، میں اس شخص سے جہی نفرت کرتی ہوں۔“

اس کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔

”آپ اس شخص کے ساتھ ساری زندگی کیسے گزاریں

گی۔ جس سے آپ نفرت کرتی ہیں۔“

”ساری زندگی تو بہت دور کی بات ہے کچھ دیر برداشت کرنا مشکل ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو میں اس کی زندگی میں خوشیاں بھرنے جا رہی ہوں، نہیں بلکہ اس کی زندگی سے ہر خوشی چھیننے جا رہی ہوں۔ میری نفرت دیکھ کر اسے دکھ ہوگا۔ اور وہی دکھ صومیہ محسوس کرے گی یہی میں چاہتی ہوں۔ میری نفرت جلد ہی اس کی پسندیدگی کو ختم کر دے گی۔ وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ امی ابو کو دکھ تو ہوگا، میری زندگی برداغ بھی لگے گا۔ لیکن پھر بھی حبیبہ! میں یہ سب کروں گی۔“ حبیبہ اس کے گلے لگ کر سسک اٹھی۔

”رونا بند کرو حبیبہ! دیکھو میں رو رہی ہوں۔“ اس نے حبیبہ کو الگ کر کے اس کے آنسو صاف کیے اور اس کے گال تھپکتے ہوئے باہر نکل گئی۔



”یہ سمجھتی کیا ہے خود کو۔ میرے بھائی کی پسندیدگی کا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ بھائی کو اس کی اصلیت پتا چلے تو خود اس کی عقل ٹھکانے آجائے گی۔“ وہ کھولتے ہوئے دماغ کے ساتھ آفاق کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مٹی نے تو خواہ مخواہ عیشہ کو ہوا بنا رکھا ہے۔ وہ نہ ملی تو جیسے بھائی.....“ اس نے سر جھٹک کر خود کو کچھ برا سوچنے سے روکا۔

”میں مٹی سے زیادہ بھائی کو جانتی ہوں، میں منع کروں گی۔ ذرا طریقے سے بات کروں گی۔“ اس نے آہستہ سے ہینڈل گھما کر تھوڑا سا دروازہ کھولا ساتھ ہی حسن کا قہقہہ سنائی دیا۔

”یہ عورتوں کا ڈپارٹمنٹ ہے دولہے میاں، صومیہ کو یہ ذمہ داری سونپو۔“

”ہاں صومیہ بھی تیاری کر لے، لیکن اس کے لیے برائیدل ڈریس میں خود لوں گا۔“

”یہ تم نے عیشہ کو زیادہ ہی سر پر سوار کر لیا ہے۔“

”تا نہیں حسن! میں اس سے دھیان ہٹانا بھی چاہتا ہوں لیکن وہ بے دھیانی میں بھی میرے دھیان میں رہتی ہے۔“

”میں جو اس کے لیے محسوس کر رہا ہوں میں تمہیں بتا نہیں سکتا لیکن بس اتنا جانتا ہوں، اگر وہ انکار کر دیتی تو میں کبھی کسی اور سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ کبھی نہیں۔“

اس کے قطعی نعرے پر صومیہ کی گرفت دروازے پر ڈھکی پڑ

UrduPhoto.com

گئی تھی۔

”وہ ہیر تو نہیں پھر میرا دوست را بٹھا کیسے بن گیا۔“ حسن نے افسوس سے سر ہلایا تو آفاق کا قہقہہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔ وہ اگلے قدموں پیچھے ہٹی، عیشہ کا قہقہہ بھی ان قہقہوں میں شامل ہو گیا تو اپنے کمرے میں آکر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔



اپنے سامنے پھیلے زرق برق کپڑے اسے سخت تکلیف دے رہے تھے۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آرہے تھے اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ صومیہ نے اس دن کے بعد کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ آج اس بات کو بھی بیس دن گزر گئے تھے اور پورے بارہ دن بعد اس کی شادی تھی۔ لیکن اس کی پریشانی کی وجہ صومیہ نہیں یہ شادی تھی۔ اسے اس شخص سے رتی برابر لگاؤ نہیں تھا۔ لیکن شادی کا مطلب بھی وہ جانتی تھی۔ وہ اس شخص کو سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن پھر بھی سوچ رہی تھی اور اسے سوچ سوچ کر اس کی وحشت بڑھ رہی تھی۔

”کہاں جا رہی ہو۔“ اسے تیار دیکھ کر فرحت حیران ہوئیں۔

”میں منور انکل کے اسکول جا رہی ہوں۔“

”کیوں، بس ایسے ہی باہر جانے کو دل چاہ رہا ہے۔“

”جاؤ پھر بازار سے ہو آؤ۔“

”نہیں، بازار جانے کا موڈ نہیں ہے۔“

”اچھا حبیبہ کو ساتھ لے جاؤ، اکیلی کہاں جاؤ گی۔“ وہ اس کے پیچھے لپکیں، لیکن وہ سنی ان سنی کر کے باہر نکل گئی۔



”کارڈز پر ٹنگ کے لیے دیے ہیں۔“ آفاق نے حسن کو دیکھا جو چائے میں بسکٹ ڈبو ڈبو کر کھا رہا تھا۔

”فکر نہ کرو۔ تمہاری شادی پر سارے لوگ پہنچ جائیں گے۔“ وہ کپ میں پچی چائے کے دو بڑے گھونٹ لے کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”اچھا کوئی کام رہ گیا ہو تو جلدی بتا دو۔ آفس چھوڑ کر آرہا ہوں۔“ اسے فائل میں غمو دیکھ کر حسن بولا۔

”سارا کام تو ہو گیا ہے، لیکن اگر کوئی رہ گیا ہے تو سوچ لو۔“

”وہ تو میں سوچ لوں گا، پر تم خود بھی کچھ سوچ لیا

کرو۔

”سوچتا ہوں۔“ وہ مسکرایا۔

”کیا؟“ حسن کرسی پر آگے پیچھے جھولتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔

”عیشہ کو“ حسن ایک دم رک گیا۔

”وہ میرے بھائی کیلئے گاتیرا جس اسپڈ سے تو عیشہ عیشہ کر رہا ہے کسی دن مجھ سے پوچھا گیا، سنیں آپ کا نام کیا ہے جواب ملے گا عیشہ۔“ وہ قہقہہ لگا کر فائل پر جھک گیا۔

”تم رہنے دو میں دیکھتا ہوں۔“ فون کی بیل پر اس نے اسپیکر کا بٹن دبا دیا۔

”السلام علیکم آفاق ٹریڈنگ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“ حسن کے خالص سیکریٹری والے انداز پر وہ فائل پر نظریں دوڑاتا رہا۔ لیکن دوسری طرف سے آتی آواز پر اس نے چونک کر فون کو دیکھا۔

”میں آفاق صاحب سے بات کر سکتی ہوں؟“

”آپ کون؟“ حسن نے پہلے ابرو اچکا کر آفاق کو دیکھا جس کے چہرے پر پہچاننے اور نہ پہچاننے کی کیفیت تھی۔

”عیشہ“ آفاق کا ہاتھ ریسیور کی طرف بڑھا تو حسن نے جلدی سے اپنا ہاتھ اوپر رکھ دیا۔

”بھابھی میں حسن بول رہا ہوں۔ کیا حال ہے آپ کا؟“ وہ تو یہاں نہیں ہے۔“ وہ ہنسنا تو آفاق نے اسے ایک مکار سید کیا۔

”السلام علیکم عیشہ! کیا حال ہے آپ کا؟“ وہ جلدی سے بولا۔ وہ اسپیکر بند کرنا چاہ رہا تھا لیکن حسن نے ایسا کرنے نہیں دیا۔

”جی ٹھیک ہوں، آپ فارغ ہیں؟“

”جی بالکل۔“

”آپ انکل منور کے اسکول آسکتے ہیں؟ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“

”خیریت؟“ وہ کچھ حیران ہوا۔

”جی۔“

”ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔“

فون آفاق کے پاس سے اٹھ گیا۔ اور

وہ مار کھانے کے باوجود لوٹ لوٹ ہو رہا تھا۔

یہ تم کو گویا ملے گا میں کب سے اس کی بات کر

آج میں فون نہ سنتا تو بتائی نہیں چلتا تھا۔

”بکو اس نہ کرو۔“ آفاق نے سیدھا ہو کر کوٹ کو جھٹکا دیا اور انگلیوں سے بکھرے بالوں کو سنوارا۔

”تم کہاں جا رہے ہو؟“ اپنے پیچھے آتے حسن کو اس نے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

”تمہارے ساتھ۔“ وہ مزے سے بولا۔

”بالکل نہیں، اپنے آفس جاؤ۔“

”ارے واہ، مطلب نکل گیا تو آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں، میں بھی سنوں گا تو بھابھی کو کیا کہتا ہے۔“ وہ بولا تو آفاق نے اپنا ماتھا پیٹ ڈالا۔

اسٹاف کے کئی لوگوں نے ان دونوں کو حیرت سے دیکھا وہ تیزی سے باہر نکلا جب کہ حسن اس کے پیچھے بھاگا تھا اور اس سے پہلے گاڑی میں جا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

”اب میری شکل کیا دیکھ رہے ہو، چلو۔“ آفاق نے غصے سے اسے گھورا۔

”آمینہ بتا کیسے ان کا دل جرات ہے۔ آج پھر اکیلے میں ان سے ملنے جانا ہے۔“ حسن کی گنگناہٹ پر اس نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ کو روکا۔

”بس چپ۔“ حسن نے ایک ناراض سی نظر آفاق پر ڈالی۔

”جی اس نے بھی حسن کو دیکھا۔ نظریں ملیں اور گاڑی دونوں کے قہقہوں سے گونجنے لگی۔

اس نے گہرا سانس لے کر گراؤنڈ میں کھیلے بچوں پر سے

نظر ہٹائی اور گیٹ کو دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا، وہ خاموشی

سے گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ سر جھٹک کر اس

نے پھر سامنے دیکھا وہ مسکراتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ

کھڑی ہو گئی۔

”کیسی ہیں آپ؟“ اس کی آنکھوں اور لمبے میں

اشتیاق محسوس کر کے وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ اسے مسلسل

خاموش دیکھ کر آفاق نے غور سے اس کا جھکا ہوا سر دیکھا۔

جو کچھ مضطرب دکھائی دے رہی تھی۔

”آپ مجھ سے بات کرنا چاہتی تھیں؟“ اس نے

چونک کر آفاق کو دیکھا۔

”جی۔“

”بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ آفاق نے بیچ کی طرف اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کے بولنے کا خطرہ تھا۔ اس نے خود کو

بولنے کے لیے تیار کیا۔

"امی نے آپ کی مدد کو بتایا تھا۔ آپ کو بھی پتا ہو گا میں پہلے اپنے کزن کے ساتھ منسوب تھی۔ پھر وہ کسی اور لڑکی میں انوالو ہو گیا۔ تو ہمارا رشتہ ختم ہو گیا۔" وہ آنکھیں جھکائے گویا تھی۔

"میں جانتا ہوں کیا آپ اس وجہ سے پریشان ہیں؟" اس نے سرفنی میں ہلایا۔

"در اصل میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن میرے پیرئس پریشان تھے۔ اس لیے میں نے آپ کے پرنزل پر ہاں کی تھی۔" اسے محسوس ہوا مقابل کی مسکراہٹ مدہم ہو گئی ہے۔

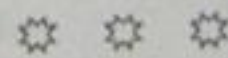
"میں...." وہ رک کر مناسب الفاظ تلاش کرنے لگی۔ "میں آپ سے شادی کر رہی ہوں۔ لیکن مجھے ابھی کچھ وقت چاہیے۔" مسلسل خاموشی پر اس نے جھجکتے ہوئے نظریں اٹھائیں۔ ان لبوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں آپ بے فکر رہیں۔ آپ کو کوئی پراہلم نہیں ہوگی۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ میری بن کر میرے ساتھ رہیں۔" عیشہ نے ایک جھٹکے سے نظریں اٹھائیں۔

"اور کچھ؟" اس کا لہجہ کچھ شوخ سا تھا۔

"میں تمہاری یہ مسکراہٹ چھین لوں گی۔" اس کی نظریں کہہ رہی تھیں لیکن لب خاموش تھے۔ "چلیں میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔" "نہیں میں چلی جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے چلتا ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ اس پر گہری نظر ڈالتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ "آئیے شہزادے! پھر کیا بات ہوئی؟" اس کے بیٹھتے ہی حسن نے شرارت سے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ مسکرا دیا، لیکن حسن کو ڈراپ کرنے کے بعد اس کے چہرے پر سوچ کی لکیریں ابھری تھیں۔



عیشہ کو ڈراپ کرتے ہوئے حسن نے اس کی دھڑکی ہوئی تھیں جو گھٹنوں کے گرد بازو پیٹے، تھوڑی گھٹنوں پر نکائے چلنے کی سوچ میں تھیں۔ ان کے لبوں کو کچھ ہوا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی عیشہ کا نکاح آفاق سے ہوا تھا۔ پتا

نہیں کیوں لیکن اس کی فائنٹی انہیں ہولارہی تھی۔ "کیا سوچ رہی ہو بیٹا!" انہوں نے قریب آکر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی پھر مسکراتے ہوئے سرفنی میں ہلایا۔ ماں کا پیار بھرا لمس اس کا ضبط آزما رہا تھا۔ اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔ "تھک گئی ہوں امی!" اس کے لمبے میں اچانک تھکن سمٹ آئی تھی۔

"سو جاؤ تھوڑی دیر پھر شام کو مندی کا فنکشن ہے۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن آنکھیں بند کرتے ہی سارا بچپن اس سے جڑے کتنے ہی خواب آنکھوں میں اتر آئے تھے۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تو اس نے جھٹکے سے جلتی ہوئی آنکھوں کو کھولا۔ اسے عیشہ منظور سے عیشہ آفاق بنے صرف بیس منٹ ہوئے تھے لیکن صرف ان چند منٹوں میں ہی سارے وجود میں تھکن سی اتر آئی تھی۔ اس نے فرحت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام کر خود کو جیسے کسی مضبوط حصار میں چھپانا چاہا۔

ایسے میں فرحت کی آواز ابھری۔ "صومیہ کی امی بھی بہت اچھی ہیں، تم ان سب کا دھیان رکھنا۔ ہمارے اور ان کے ماحول میں بہت فرق ہے لیکن مجھے یقین ہے، میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔ سب سنبھال لے گی۔"

"دعا کریں امی! جو میں چاہتی ہوں وہ ہو جائے۔" وہ پھر بولی۔ "عیشہ...." اسے مسلسل خاموش دیکھ کر انہوں نے جھجکتے ہوئے پکارا تو وہ آنکھیں کھول کر سیدھی ہو گئی۔

"ماضی کو بھول جاؤ بیٹا!"

"کیسے؟" اس کے لب خاموش تھے۔

"وہاب تمہاری قسمت میں نہیں تھا۔"

"کیوں؟" اس کا دل رونے لگا۔

"اب آفاق ہی تمہارا سب کچھ ہے۔"

"نہیں بالکل نہیں۔" دماغ چلایا جبکہ دل تو پہلے ہی اس کے اس فیصلے سے ناراض تھا۔

"آفاق کو دیکھ کر مجھے لگا جیسے وہ بنا ہی تمہارے لیے ہے۔"

"اب عیشہ نے چونک کر ان کا چہرہ دیکھا، جہاں آفاق کے لیے بے حد شفقت تھی۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تایا ابو چلے گئے۔؟"

”نہیں باہر بیٹھے ہیں۔“
”اور ابو؟“

تمہارا ساتھی صبح معنوں میں تمہاری قدر کرنے والا ہو۔“
وہ اس کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئے تو اس کی آنکھیں بھینکنے لگیں۔

”میں جانتی تھی آپ کیا کرنا چاہتے تھے لیکن میں وہاب کو معاف نہیں کر سکتی۔“ اس کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بہہ نکلا۔

”تم کیوں رو رہی ہو عیشہ اور کس کے لیے؟ جس کو تمہاری قدر نہیں۔“ دماغ کے ڈپٹنے پر اس نے بے دردی سے آنکھوں کو مسل ڈالا۔



اس کی نظریں بار بار بھٹک کر پھولوں سے سجے کمرے پر دوڑنے لگیں۔ وہ پھر گھبرا کر نظریں جھکا لیتی۔ اب سے پہلے وہ اس کے وعدے کے باعث مطمئن تھی لیکن اب اس کمرے میں جس کا مالک وہ تھا اور پھر وہ خود بھی تو اس کے اختیار میں تھی۔ اگر وہ اپنی بات سے مکر گیا تو..... یہ بات اسے پریشان کر رہی تھی۔

اسی وقت دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی اس کے دل کی دھڑکن بے حد تیز ہو گئی۔

”السلام علیکم۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے لیے ایسی خاموشی چھائی تھی کہ اسے اپنی دھڑکن کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔

”میں نے سنا تھا، کل آپ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں لیکن اتنا لمبا آپ کا گھونگھٹ تھا، میں دیکھ ہی نہیں سکا لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آج سے زیادہ خوبصورت نہیں لگ رہی ہوں گی۔“ عیشہ نے دوبارہ سر جھکا لیا۔ چند لمحوں بعد اس کے سر جھکانے پر وہ اٹھ کر دائیں طرف بنے دروازے میں گم ہو گیا۔ وہ پھر اس کے سامنے تھا۔

”یہ آپ کے لیے۔“ اس نے ایک ڈبہ اس کے آگے کیا پھر اسے کھول کر ایک لاکٹ اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اس کے سامنے کیا۔

”میں پہنا دوں؟“
”نہیں، میں خود پہن لوں گی۔“ وہ گھبرا کر بولی اور جلدی سے لاکٹ اس کی ہتھیلی سے اٹھا لیا۔ اس کی اس ادا پر

”وہ جب سے مسجد سے آئے ہیں، اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ بٹی کے فرض سے خوش اسلوبی سے سبکدوش ہونا بڑی خوش نصیبی ہے لیکن اس کے پرانے ہونے کا احساس بہت بڑا ہوتا ہے۔ پرانی تو تم آج سے ہو گئی ہو، کل اس گھر سے بھی چلی جاؤ گی۔“ اب فرحت کا حوصلہ بھی جواب دے گیا تھا۔ وہ رو پڑیں تو عیشہ نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔

”شاید آجاؤں واپس۔“ اس کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔ فرحت نے دہل کر اسے دیکھا۔

”کیسی منحوس باتیں کر رہی ہو؟ ہمیں اس تکلیف میں بھی سکون ہے۔ آئندہ ایسے الفاظ کبھی اپنے منہ سے نہ نکالنا۔“ اچانک انہوں نے درشتی سے اسے ٹوک دیا تو وہ مسکرا دی۔

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ سلطان صاحب کو دیکھ کر فرحت کھڑی ہو گئیں جبکہ عیشہ غور سے ان کی نم آنکھیں دیکھنے لگی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گئے۔

”میں گھر جا رہا تھا، سوچا عیشہ سے مل لوں پھر شام کو فنکشن ہے، تفصیل سے بات نہیں ہو سکے گی۔“

”چلیں پھر آپ باتیں کریں، میں ذرا باہر انتظامات دیکھ لیتی ہوں۔“ فرحت ان کا نم لہجہ بھانپ گئی تھیں، اس لیے باہر نکل گئیں۔

”مجھے معاف کر دو بیٹا! میں کچھ نہیں کر سکا۔ آج تم کسی اور کی ہو گئی ہو۔ تم نہیں جانتیں، مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ تمہارے حوالے سے کتنے خواب دیکھے تھے ہم نے، وہ سب اب.....“ وہ ہونٹ بھینچ کر چپ ہو گئے جبکہ اس کا دل پھر کر لانے لگا۔

”آپ مت روئیں تایا ابو! میں نے کبھی آپ کو الزام نہیں دیا اور نہ میں آپ سے ناراض ہوں۔“ وہ ان سے الگ ہو کر اپنے آنسو صاف کرنے لگی پھر ان کو کچھ کہنے کی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر اس نے دیوار سے ٹیک لگالی۔

”تایا ابو! میں کوئی بات کہنے کا جو میں مان نہ سکوں۔“ وہ کچھ دیر اس کا ساٹ چہرہ دیکھتے رہے پھر سر جھکا لیا۔

”اللہ تمہیں سدا خوش رکھے، میری بی دعا ہے۔“

آفاق کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔
 ”مجھے چھینج کرنا ہے۔“ اس کی گہری ہوتی مسکراہٹ
 نے اسے وہاں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کہتے ہوئے بیڈ
 سے اترنے لگی۔

”کر لیجئے گا ۲۰ بھی تھوڑی در بات کرتے ہیں۔ آپ کو میرے بارے میں پتا چلے گا“ مجھے آپ کے بارے میں۔“ آفاق نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھانا چاہا لیکن وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔ آفاق نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا جو ضرورت سے زیادہ گھبرائی ہوئی تھی۔

”عیشہ۔۔۔“ وہ اس کی طرف بڑھا۔ عیشہ بے ساختہ تین قدم پیچھے ہٹی تھی۔ آفاق نے ہونٹ بھینچ لیے، اس کا ضبط کے مارے سرخ پڑتا چہرہ دیکھا تو گہرا سانس لے کر پیچھے ہٹا۔

”یہ ڈریسنگ روم ہے۔ وارڈروپ میں آپ کے کپڑے ہنگ ہیں۔ آپ چینیج کر لیں۔“ اس کے کہتے ہی وہ بھاری لہنگا سنبھالتے ہوئے تیزی سے اس دروازے کی طرف بڑھی۔

”کیا ہو گیا ہے مجھے۔“ اندر آکر اس نے بے اختیار خود کو ڈانٹا۔

کپڑے بدلنے کے بعد وہ جان بوجھ کر در سے باہر آئی، وہ بیڈ پر بیٹھا پر سوچ انداز میں پھولوں کی پتیوں کو دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پر چونک کر سیدھا ہوا۔ اس کی مسکراہٹ پر وہ نظروں کا زاویہ بدل گئی۔

”آپ یہاں آجائیں۔“ اسے وہیں کھڑا دیکھ کر آفاق نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا تو وہ ڈریسنگ روم کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔

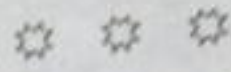
”میں یہاں تھیک ہوں۔“

آفاق نے کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک کر بیڈ سے کبل اٹھا کر اس کے قریب آگیا۔ اس کے ساتھ ایک خوشبو کا مہکتا ہوا جھونکا بھی آیا تھا۔ عیشہ نے سر اسیعہ ہو کر اسے دیکھا۔

”آپ کو اس طرح گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے، میں آپ کی خواہش کا احترام کروں گا۔ جب تک آپ چاہیں۔“ عیسیٰ نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے قبل لے لیا۔ وہ ڈریسنگ روم کی طرف مڑا تو اس نے قبل سر تک اوڑھ لیا۔ کچھ دیر بعد اسے بند ہوتے ہی اندھیرا چھا گیا اور کمرے میں ہلکی نیلی روشنی پھیل گئی۔ اس

OranPhoto.com

”بھابی جی! بھائی جی ناشتے کے لیے بلا رہے ہیں۔“
 ثروت کے کہنے پر اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔
 ”میں تو جا رہی ہوں۔ لگتا ہے، ایک ہی دن میں
 تمہارے بھائی کو میرے بغیر کھانا بھول گیا ہے۔“ وہ
 مسکراتے ہوئے ڈائننگ روم کی طرف بڑھی، جبکہ صومیہ
 مٹھیاں بچھنے اس کی پشت کو گھور رہی تھی۔



آفاق کے قہقہہ لگانے پر اس نے بمشکل اپنے قہقہے کو
 مسکراہٹ میں تبدیل کیا۔ مسلسل ہنسنے سے اب اس کے
 جڑے دکھنے لگے تھے۔ آفاق کا یہ روپ پچھلے کچھ عرصہ
 سے اس کی نظروں میں آیا تھا، اس کے نزدیک وہ بہت
 سنجیدہ اور نرم طبیعت کا تھا لیکن حسن کے ساتھ بیٹھتے ہی
 اس کا سینس آف ہیومر غصب کا ہو جاتا تھا۔
 ”پھر بھابی! آپ کی دعوتوں کا سلسلہ کب تک مزید
 جاری رہے گا۔“ حسن اس کی طرف متوجہ ہوا۔
 ”آج کل تو کوئی دعوت نہیں۔“

”پھر آپ لوگ ہنی مون پر کب جا رہے ہیں۔“ عیشہ
 نے قدرے چونک کر اسے دیکھا اور پھر آفاق کو جو مسکرا رہا
 تھا۔

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“ اس نے حتی الامکان لہجے کو
 نارمل رکھا۔

”کیوں، آپ جو کہیں گی وہی ہو گا۔ اس کی کیا اہمیت جو
 آپ کو انکار کر سکے۔“ اس نے آفاق کو شرارت سے دیکھا
 تو وہ مسکرا دیا۔

”ایسا کرتے ہیں، بھور بن چلتے ہیں۔ وہاں ہمارا ریٹ
 ہاؤس بھی ہے۔“

”یہ چلتے ہیں سے کیا مراد ہے تمہاری۔“ زریں نے
 مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

”آئی! اکیلے بچوں کو بھیجنے کا زمانہ نہیں آج کل، اس
 لیے ہم سب ان کی حفاظت کے لیے ساتھ چلیں گے۔“
 صومیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ عیشہ نے جلدی سے اس
 کا چہرہ دیکھا جو اپنے بھائی کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر خوش ہو رہی
 تھی۔

”کیوں بھابی! حسن کے بچنے پر وہ ایک نظر اسے
 دیکھ کر اپنے ناخنوں سے کیے گی۔“

”میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ میں نہیں آیا۔ چلیں پھر ایسا
 کرتے ہیں۔“

کرتے ہیں، سوئٹزر لینڈ چلتے ہیں۔ آپ کے شوہر کو بہت
 پسند ہے۔ تین سال پہلے میں اور آفاق گئے تھے لیکن میرا
 خیال ہے آپ کے ساتھ زیادہ خوش رہے گا۔“ وہ شرارت
 سے آفاق کو دیکھنے لگا جو بہت غور سے عیشہ کو دیکھ رہا تھا۔
 ”دو ماہ تو ہو گئے ہیں تم لوگوں کی شادی کو اب نہیں گھوم
 پھر آؤ۔“ زریں کے بھی کہنے پر اس نے جبرا ”مسکرا کر سر
 جھکا لیا۔“

”اس پر بعد میں ڈسکس کریں گے، ابھی تم میرے
 ساتھ چلو۔“ اسے تذبذب میں دیکھ کر آفاق زبردستی حسن
 کو باہر لے گیا۔ زریں کے جانے کے بعد عیشہ نے
 مسکراتی نظروں سے صومیہ کو دیکھا جو کھا جانے والی نظروں
 سے اسے گھور رہی تھی۔

”یہ سب کرنا تھا تو شادی کیوں کی تھی؟۔“ صومیہ سے
 اپنے بھائی کا اترا ہوا چہرہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔
 ”یہی سب کرنا تھا، اسی لیے تو شادی کی تھی۔“ وہ ایک
 ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

”میں تمہاری طرح پیٹھ پیچھے وار نہیں کرتی۔ میں نے
 پہلے ہی تمہیں کہا تھا، صرف بدلہ لینے تمہارے گھر آ رہی
 ہوں، ورنہ تم سمیت تمہارے بھائی سے میں نفرت کرتی
 ہوں۔“ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

”بدلہ مجھ سے لو، میرے بھائی سے کیوں۔ وہ تمہارا کتنا
 خیال رکھتے ہیں۔“

”تم سے ہی تو بدلہ لے رہی ہوں۔“ وہ مسکرائی۔
 وہ بے خونی سے بولی تو صومیہ کشن صوفے پر چڑھ کر اپنے
 کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے مسکرا کر صوفے کی
 بیک سے ٹیک لگالی۔



”عیشہ۔۔۔“ وہ وارڈروب کھولے آفاق کے کپڑے
 نکال رہی تھی، جب آفاق کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ
 دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
 ”دراصل آج ہمارے آفس میں ایک انوٹیشن کارڈ آیا
 تھا جس میں شہر کے سب بزنس مین دو واٹف انوائنڈ
 ہیں۔“ عیشہ نے اپنی بیزاری چھپانے کے لیے چہرہ
 وارڈروب کی طرف موڑ لیا۔

”میں جانتا ہوں، آپ کو پارٹی میں جانا زیادہ پسند نہیں
 لیکن آپ کا جانا ضروری ہے پھر میرے آفس کا اسٹاف بھی

وہاں ہو گا تو اگر آپ نہ گئیں تو۔۔۔

"کب جانا ہے؟" آفاق کا خیال تھا وہ منع کر دے گی لیکن اس کے اتنی جلدی مان جانے پر وہ مسکرا دیا۔
"آج رات کو نو بجے۔" وہ سر ہلا کر اپنے کپڑے منتخب کرنے لگی۔

رات کو مکمل تیاری کے بعد اس نے پیچھے ہٹ کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کا ارادہ بالکل بھی آفاق کے ساتھ جانے کا نہیں تھا لیکن یہ سن کر کے اس کا اسٹاف بھی آ رہا ہے، اس کا ارادہ بدل گیا تھا کہ وہاں وہاں ہو گا اور آج کی اس بھرپور تیاری کا مقصد بھی یہی تھا۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ کتنی خوش ہے۔
زیریں نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا جبکہ صومیہ کی آنکھوں میں بھی ستائش اتری جو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر تلخی میں بدل گئی۔ آفاق کی بھرپور نظروں کے احساس پر وہ مسکرائی تھی، اس پر صرف ایک دھن سوار تھی۔ وہاں کا اتر ا ہوا چہرہ دیکھے اور پھر بارانی میں ہر ایک نظر میں اس کے لیے ستائش تھی۔ ہر فرد پل کو سراہ رہا تھا اور اسے دیکھ کر وہاں کے چہرے پر جو رنگ اترے تھے، اس کا دل شاد ہو گیا۔ لیکن کچھ دیر بعد وہ سرشاری جھنجلاہٹ میں بدلنے لگی۔ آفاق کی بار بار خود پر اٹھی نظریں آج اور ہی رنگ لیے ہوئے تھیں۔ اتنی تیاری کرتے ہوئے اس کے ذہن میں صرف وہاں تھا کیونکہ چار ماہ گزر جانے کے بعد اسے آفاق کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے نکلے کو نبھا رہا تھا لیکن وہ یہ بھول گئی تھی جب یہاں ہر دوسری نظر بے اختیار اس پر اٹھ رہی ہے تو پھر جو شخص ہر لمحہ اس کے ساتھ ہے جس کا دل ہر لمحہ اس کے لیے دھڑکتا ہے، اس کا دل کیسے بے قابو نہیں ہو گا۔ گھر آنے تک وہ جھنجلاہٹ گھبراہٹ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس نے غصے سے کندھے سے بے قابو ہوتے دوپٹے کو کندھے پر ٹکایا اور نوچنے والے انداز میں جوڑیاں اتارنے لگی۔

"اگر اختیار بندے کے ہاتھ میں آجائے تو اسے کتنی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔" آفاق کی آواز پر اس نے بے ساختہ آئینے میں دیکھا، جہاں وہ دروازے کے قریب کھڑا کوٹ اتار رہا تھا۔

اپنی اور میری مثال دلوں میں۔ اللہ کو میری محبت سچی
میں تو انہوں نے بغیر آزمائش کے آپ کو مجھے سوچ دیا

جبکہ آپ کو میری محبت پر شک ہے، اس لیے آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ میری آزمائش کب ختم ہوگی۔" وہ اب ٹائی اتار رہا تھا، نکلن اتار تا اس کا ہاتھ وہیں ساکت ہو گیا۔ وہ بے ساختہ پیچھے مڑی۔ وہ شرٹ کے بٹن کھولتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

"آپ کو اندازہ ہے، آپ کتنی خوبصورت ہیں۔ بندہ بشر ہوں، کسی وقت بھی بسک سکتا ہوں۔" وہ کانپ کر رہ گئی۔
"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔" بہت گوشش کے باوجود بھی اسے اپنی آواز میں کپکپاہٹ محسوس ہوئی تھی۔
"وعدہ تو ہوتا ہی توڑنے کے لیے ہے۔" اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں دیکھ کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔
"جسٹ جو کنگ۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹا تو وہ تیزی سے واش روم میں گھسی۔

"سمجھتے کیا ہیں خود کو۔" دھڑکتے دل کو قابو کرتے ہوئے اس نے غصے سے قیمتی دوپٹہ اسٹینڈ پر پھینکا اور منہ دھونے لگی۔

کچھ دیر بعد جب وہ باہر آئی وہ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے آنکھیں بند کیے مسکرا رہا تھا۔

اس نے دوپٹہ سائیڈ پر رکھ کر کمبل سے خود کو ڈھانپ لیا۔ اپنے قریب آہٹ محسوس کر کے اس نے ذرا سا کمبل سر کا لیا، وہ بالکل اس کے سر پر کھڑا تھا، اس نے گھبرا کر دوپٹہ خود پر لیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تو اس نے جلدی سے کمبل کے ساتھ اپنی ٹانگوں کو بھی سمیٹا۔ اس کے پرفیوم کی مخصوص خوشبو اس کے ارد گرد پھیلنے لگی تو اس نے بے بسی سے اپنے قریب بیٹھے آفاق کو دیکھا۔
"کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ یہ وقت کتنا ہو گا، کیا مزید کچھ ہفتے۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔
"مہینے۔" اس کی خاموشی پر وہ مزید گویا ہوا۔

"سالوں بھی لگ سکتے ہیں۔" اچانک اس نے بولنے کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھا، جہاں مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی، وہ بے اختیار مسکرائی۔

"چلیں یہ انتظار زندگی کے ساتھ ہی ہے نا، زندگی کے آخری لمحے تک انتظار کروں گا۔" وہ کچھ دیر بعد اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولا جبکہ اس بار اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔



"گھر میں سب ٹھیک ہیں۔" فرحت کے پوچھنے پر اس

نے مسکرا کر سر ہلایا اور کوک کا گلاس اٹھالیا۔
”جیبہ کہاں ہے۔“

”وہ تمہارے نیپا کے گھر گئی ہے۔ تمہاری تائی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو وہاں اسے لے گیا۔“
”وہاں یہاں کیوں آیا تھا؟“ اس نے رک کر ان کا چہرہ دیکھا تو وہ جیسے کہہ کر کچھٹا نہیں۔

”بیٹا! اس سے اکثر کام پڑتا رہتا ہے۔“
”کیا کام۔ سارے بل گھر کا سامان ان کے لیے آفاق نے ملازم رکھوایا تو تھا۔“

”ہاں لیکن وہاں بار بار آ رہا تھا۔ معافی مانگ رہا تھا تو تمہارے ابو نے ہم نے سوچا اپنا ہی بچہ ہے۔“
”کیا۔۔۔ وہ چیخ اٹھی۔“

”اپنا بچہ۔۔۔ میں پھر کون ہوں، کون ہوں میں ابو؟“ اس کی تیز آواز سن کر منظور صاحب بھی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے وہاں آگئے تھے۔

”بیٹا! وہاں کے بارے میں تم جانتی ہو، وہ میرے اکلوتے بھائی کا اکلوتا بیٹا ہے۔ بچپن سے میں نے اسے اپنا بیٹا سمجھا ہے جو وہاں نے کیا اسے بھلا میں بھی نہیں سکتا لیکن کچھ رشتوں کی نزاکت ایسی ہوتی ہے کہ انہیں چھوڑا نہیں جاسکتا۔“ اس کے قریب بیٹھنے پر وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھانے لگے۔

”چلتی ہوں۔“ کچھ دیر بعد وہ کھڑی ہو گئی۔
”ناراض ہو کر جارہی ہو؟“ فرحت اس کے پیچھے آئی تھیں۔

”نہیں۔ گھر میں کچھ کام ہے، مجھے شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ سوچا جیبہ کو ساتھ لے لوں لیکن۔۔۔“ اس نے سر جھٹکا۔

”اللہ حافظ۔“ وہ باہر نکل آئی۔ ڈرائیور اس کے انتظار میں گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی اشارت کردی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ تس تس کر دے۔
”آپ گاڑی آفس طرف موڑ لیں۔“ اچانک کچھ سوچ

کر اس نے کہا۔
”اے دیوے! میں خود گاڑی چلاؤں گی۔“
وہ اپنے سامنے شعلہ بار نظروں سے خود بخود کی عیشہ کو دیکھا جو اس وقت اس کے مکان کے کھور میں کھڑی تھی۔ ایک نظر سب ڈال کر وہ بھی کھڑا

ہو گیا۔ اس کے کھڑا ہوتے ہی وہ اس کے کیمن کے آگے سے ہٹ کر آفاق کے روم کے سامنے جا کر رہی۔

”کل کی پارٹی اچھی رہی تھی۔“ حسن کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلا کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوا۔

”کل شام بھی بھابھی کی کافی تعریف کر رہی تھی۔ میں نے تو کہہ دیا۔ میرے دوست کو داد دو جس نے اتنی خوبصورت بیوی خود ڈھونڈی۔“ حسن نے اپنی منگیتر کا ذکر کیا تو وہ اس کے انداز پر مسکراتا رہا۔

”ہاں، وہ کتنی خوبصورت ہے۔ اس کا دل جانتا ہے لیکن وہ اس خوبصورتی کو سراہ نہیں سکتا۔ اس کے پاس سارے اختیارات ہیں لیکن وہ ان کو استعمال نہیں کر سکتا۔ کتنی بے بسی ہے۔ کل وہ بے بس ہوا تھا بلکہ جب

جب وہ اس کے پاس ہوئی تھی، دل بے قابو ہونے لگتا تھا لیکن کل وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ۔۔۔۔۔ اس نے گہرا سانس لے کر نظریں کمپیوٹر سے ہٹا کر حسن کو دیکھا۔ وہ مگن انداز میں اخبار پڑھ رہا تھا لیکن وہ اس یقین کو توڑنا نہیں چاہتا تھا جو عیشہ کو اس پر تھا۔ اسے اس وقت کا انتظار تھا جب وہ بھی اسے چاہے گی اور اسے یقین تھا ایک وقت ایسا ضرور آئے گا۔

اندر داخل ہوتی عیشہ کو ان دونوں نے حیرت سے دیکھا جبکہ حسن کو وہاں دیکھ کر وہ بہ مشکل مسکرائی تھی۔

”زہے نصیب۔ آئیے بھابھی۔“ سب سے پہلے وہ ہی حیرت سے باہر نکلا۔ وہ سر جھٹکائے آفاق کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”کچھ منگواؤں۔“ عیشہ کے سرفی میں ہلانے پر وہ ابرو اچکا کر آفاق کو دیکھنے لگا جو عیشہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مینوں خاموش بیٹھے تھے۔

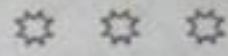
”میں ذرا ابھی آتا ہوں۔“ عیشہ کو سنجیدہ دیکھ کر وہ باہر نکل گیا۔ وہ تب بھی خاموش بیٹھی رہی تو آفاق نے تشویش سے اس کا جھکا سر دیکھا۔

”عیشہ۔۔۔“
”آفاق! اگر میں آپ سے کچھ مانگوں تو آپ مجھے دیں گے؟“

”تم کہہ کر تو دیکھو۔“ وہ جیسے کھل اٹھا تھا۔
”آپ ابھی اسی وقت وہاں کو اپنے آفس سے نکال دیں اور آپ مجھ سے کوئی وجہ نہیں پوچھیں گے۔“ وہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"عیشہ! آفس کے کچھ رولز۔۔۔" آفاق کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ جھٹکے سے اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

پھر وہ سارا راستہ کڑھتی رہی تھی۔



"آج لگتا ہے کافی زبردست کھانا پکا ہے۔" آفاق نے ڈش کا ڈھکن اٹھاتے ہوئے چور نظروں سے عیشہ کو دیکھا جو سر جھکائے کانٹے سے پلیٹ پر کچھ لکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ناراضی کے اس اظہار پر وہ مسکراہٹ روکتا ہوا اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"صومیہ کھانا نہیں کھا رہی؟"

ثروت کو بھیجا ہے بلانے دوست کے گھر گئی تھی۔ جب سے وہاں سے آئی ہے کمرے میں ہی بند ہے۔" زریں کے کہنے پر اس نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ تب ہی صومیہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے صومیہ! کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟" وہ اسے بازو کے گھیرے میں لے کر بولا جبکہ عیشہ کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہونے لگیں۔

"میں آج اپنی دوست کی طرف گئی تھی وہ مجھے بتا رہی تھی کہ آپ نے وہاب کو جاب سے فارغ کر دیا ہے۔" صومیہ کی بھاری آواز پر اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ "وہ بھی بغیر کسی ریزن کے۔ آپ جانتے ہیں اسے میں نے جاب دلوائی تھی پھر وہ عیشہ کا کزن بھی تھا۔" اس نے غصے سے عیشہ کو دیکھا جس کی ساری بے زاری غائب ہو چکی تھی اور وہ بہت دلچسپی سے صومیہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"یہ آفس کا مسئلہ ہے صومیہ! تم نہیں سمجھو گی اور اتنی سی بات کے لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسے کہیں اور جاب مل جائے گی۔ چلو شاباش کھانا کھاؤ۔" اس نے صومیہ کو اپنے سامنے والی کرسی پر بٹھادیا جبکہ اس کے برعکس عیشہ اب بڑی رغبت سے کھانا کھا رہی تھی۔

"یہ سب تم نے کیا ہے۔" آفاق اور زریں کے اٹھتے ہی صومیہ نے کھا جانے والے انداز میں اسے دیکھا۔

"تمہیں کوئی شک ہے۔ تمہارے لیے اگر تمہارے بھائی کسی کو جاب دے سکتے ہیں تو میری خاطر نکال بھی سکتے ہیں۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا تمہارے بھائی مجھ سے اتنا پیار

کرتے ہیں کہ میرے لیے اپنے اصول توڑ دیے۔ قسمت ہے نا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اندر داخل ہوتے ہی اس نے مسکرا کر آفاق کو دیکھا جو پہلے ہی اس کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"تھینکس۔"

"فارواٹ؟"

بس ایسے ہی آپ کو تھینکس کہنے کو دل چاہ رہا تھا۔

"اس کے انداز پر وہ بھی بے نیازی سے بولی تو وہ ہنس پڑا۔

"بہت بہت شکریہ، میرا شکریہ ادا کرنے کا۔"

"چائے پیئیں گے؟"

"مہربانی"

"جی۔"

"تو میں بھی پی لوں گا۔" وہ باہر نکل گئی تو کتنی دیر تک وہ مسرور سا دروازے کو دیکھتا رہا۔



وارڈ روم کی طرف تیسری دفعہ بڑھتے ہوئے وہ غڑھال ہو چکی تھی۔ سارے کپڑے فرش پر ڈھیر تھے۔

"کیا ہوا؟" آفاق نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ نے کل جو چیک دیا تھا نہیں مل رہا۔"

"کہاں رکھا تھا۔"

"آپ نے ڈائمنگ ٹیبل پر دیا تھا تو پھر مجھے یاد نہیں آ رہا۔" اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"یہیں ہو گا۔" وہ خود بھی تلاش کرنے لگا۔

"کتنے کا چیک تھا؟"

"پچیس لاکھ کا۔" اور عیشہ کا سانس رک سا گیا۔

تب ہی گھبرائی ہوئی زریں اندر داخل ہوئیں۔

"کیا ہوا ملا۔" اس کے نفی میں سر ہلانے پر وہ پریشان ہو گئیں۔

صومیہ ان کے پیچھے آئی تھی سب کے برعکس وہ کافی پرسکون تھی۔

"سارے نوکروں سے پوچھ لیا ہے انہوں نے لیا ہو گا تو بتائیں گے نا۔ ویسے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ عیشہ! تم نے بھی تو کبھی پچیس لاکھ کی رقم اکٹھی نہیں دیکھی ہوگی۔" عیشہ نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا جبکہ زریں

نے گھبرا کر وہ اس پر چوری کا الزام لگا رہی تھی۔

تب ہی آفاق ڈریسنگ روم سے نکلا۔ صومیہ گھبرا گئی۔

”چیک ملا؟“ اس کے پوچھنے پر زریں اور صومیہ دونوں نے سکون کا سانس لیا جبکہ وہ اب تک ساکت تھی۔

”عیشہ! تمہیں اتنی لاپرواہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کہاں رکھا تھا؟“ صومیہ نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھا۔ آفاق نے اس کی خاموشی پر بغور اسے دیکھا۔

”کوئی بات نہیں عیشہ! گھر میں ہی کہیں ہوگا۔ اگر نہیں ملا تو میں بینک فون کر کے منیجر سے بات کر لیتا ہوں۔“ عیشہ نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ جہاں کوئی ناراضی نہیں تھی۔

”اور اگر کیش ہو گیا تو؟“

”تو...“ وہ رکا۔ ”یہ میرا ہیڈک ہے۔ آپ کو بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ می! آپ ایک بار پھر باہر چیک کر لیں۔“ وہ ان کے ساتھ باہر نکل گیا جبکہ صومیہ اپنے بھائی کے رویے پر ابھی تک حیران تھی۔

”میں جانتی ہوں وہ چیک تمہارے پاس ہے۔ بہتر ہوگا تم وہ اپنے بھائی کو واپس کر دو۔ یہ سب تم نے مجھے آفاق کی نظروں میں گرانے کے لیے کیا تھا لیکن یہ اتنا آسان نہیں۔ مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ہاں تم خود اپنے بھائی کی تکلیف کی وجہ بن رہی ہو۔“ عیشہ نے صومیہ کو دیکھا جس کا چہرہ رنگ بدل رہا تھا۔ اس کے کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے صومیہ سے تو کہہ دیا تھا ”اے پروا نہیں لیکن حقیقتاً“ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

”عیشہ! آپ ایسے کیوں بیٹھی ہیں؟“ آفاق اسے نیچے بیٹھا دیکھ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھا۔

”یہ چیک مل گیا، وہیں ڈامننگ روم میں تھا۔ صومیہ کو ملا ہے۔“ عیشہ جانتی تھی کہ وہ چیک اسی کے پاس ہے۔ ”انھیں یہاں سے۔“ آفاق نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔

”بیٹھیں یہاں۔“ وہ اسے صوفے پر بٹھا کر خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔

”میں نے آپ سے کہا نا پریشانی والی کوئی بات نہیں پھر چیک بھی مل گیا ہے۔“ عیشہ نے گردن ہلکائی اور اس کا چہرہ دیکھا اور کتنی دیر تک دیکھتی رہی۔

”عیشہ...“ آفاق نے بہت پیار سے اس کے چہرے کو چھوا تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔

”میں ٹھیک ہوں۔“

”چلیں پھر میں شام کو آپ سے بات کرتا ہوں اور بالکل سیشن لینے کی ضرورت نہیں۔“ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

”چلو اچھا ہوا آج صومیہ کو مزہ آیا اور اس کے بھائی کو بھی۔“ دماغ نے قہقہہ لگایا تو وہ اضطرابی انداز میں پہلو بدلنے لگی۔ ”یہ اس شخص کے ساتھ زیادتی ہے۔“ دل نے سرزنش کی۔

”وہ بہت اچھا ہے۔“ دل ایک ہی تکرار کرنے لگا تو وہ گھبرا گئی۔

”میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔“ اس کے کمزور لہجے پر دل نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔



دور تک پھیلے سبزے نے اس کی نظروں کو ٹھنڈک پہنچائی تھی۔ وہ سلیپر اتار کر غم گھاس پر چلنے لگی۔ اس نے آبشار کے پتھروں کو چھوا پھر مسکرا کر نیچے گرتے پانی کو ہتھیلی میں رکھنے لگی۔ چند لمحوں بعد وہ مسکراتے ہوئے سیدھی ہو گئی۔

”آپ...“ اس نے حیرت سے سامنے کھڑے آفاق کو دیکھا جو دونوں ہاتھ سینے پر باندھے محفوظ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جھینپ کر سر جھکا گئی۔

”اچانک آنکھ کھلی تو دیکھا آپ کمرے میں نہیں تھیں پھر آپ کو ڈھونڈتا ہوا یہاں آیا۔“ وہ مسکراتا ہوا اس کے قریب بیٹھ گیا۔

”اچھا ہوا میں آگیا، ورنہ اس نظارے سے محروم رہ جاتا۔“ اس کی شرارت محسوس کر کے اس کا سر مزید جھک گیا۔

”ویسے آپ کی اسی بے ساختگی نے ہمیں آپ کا دیوانہ کیا تھا۔“ اس آفاق کے انداز پر نظریں چرا کر وہ پانی میں ہاتھ چلانے لگی۔

”آپ کو یاد ہو گا پہلی بار ہم اسکول میں ملے تھے۔“ وہ ملاقات یاد آنے پر عیشہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ عیشہ نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا جو اس کی بجائے سامنے دیکھ رہا تھا اور ہونٹوں پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ

تھی جیسے وہ منظر اس کے سامنے پھر زندہ ہو گیا ہو۔

”اس دن میں آپ کو دیکھ کر غیر ارادی طور پر رک تھا اور جب آپ نے بال کھول کر آسمان کو دیکھا تب مجھے لگا میں وہاں سے ہل نہیں سکوں گا۔ آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں لیکن اب آپ ہمیشہ انہیں باندھ کر رکھتی ہیں بالکل اپنے دل کی طرح۔“ اس کے اچانک بات بدلنے پر وہ مسکرا کر سر جھکا گئی۔

”میں پہلی نظر میں تو آپ کی خوبصورتی سے انسپائر ہوا تھا لیکن محبت اس احساس کی وجہ سے ہوئی جو آپ کو دیکھ کر محسوس ہوا۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے پاس سب کچھ ہوتا ہے لیکن پھر بھی کوئی ایک کمی رہ جاتی ہے۔ بابا کی ڈیوٹھ کے بعد میں بھی ایسا محسوس کرنے لگا تھا۔ بہت اکیلا، ادھورا سا لیکن میں بڑا تھا، خود کو کمزور ظاہر نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اگر میں کمزور پڑ جاتا تو ممی اور صومیہ کو کون سنبھالتا۔ ممی اور صومیہ کو میری ضرورت تھی ان کو میں نے کبھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ جب میں ان کے آنسو پونچھ رہا ہوتا ہوں تو میرا دل بھی رو رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے دل کی ہر بات، ہر پریشانی مجھ سے شیئر کرتی ہیں لیکن میں اپنی پریشانی انہیں نہیں بتا سکتا۔ حسن میرا بہت اچھا دوست ہے، میں اس سے ہر بات کرتا ہوں لیکن پھر بھی کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو دل چاہتا ہے کسی ایسے شخص سے کی جائیں جو اپنا ہو جس پر اپنا آپ عیاں کر کے آپ کو شرمندگی نہ ہو، کوئی ڈرنہ ہو، یہ احساس مجھے آپ کو دیکھ کر ملا تھا۔ پتا نہیں لیکن آپ کو دیکھتے ہی وہ تشنگی جو سالوں سے میرے اندر پنپ رہی تھی وہ مٹنے لگی تھی۔ صرف ایک لمحہ لگا تھا مجھے یہ جاننے میں کہ میرا گمشدہ حصہ میرے سامنے ہے۔ آپ کو پانے کے بعد مجھے اپنا آپ مکمل محسوس ہونے لگا ہے لیکن اب اگر کسی پل یہ سوچوں کہ آپ میرے پاس نہ ہوں تو میری سانسیں رکنے لگتی ہیں۔“ عیشہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اتنی محبت پر وہ حیران تھی۔ کچھ دیر بعد اس کی نظریں خود ہی جھک گئیں۔ اس کی باتوں نے اس کے پورے وجود میں ہلچل مچا دی تھی۔

”اے! آپ کو اس کا کیا دم کھڑی ہو رہی ہو تو وہ مسکراتا ہوا اس کے ساتھ چلنے لگا۔
”آپ اپنی کار کشی کو چلانے نہیں دیتے؟“ اچانک اس کی نظر گہرائی میں کھڑی سلو سوک ہو رہی۔

”صومیہ نے شکایت کی ہوگی۔“ وہ مسکرایا تو وہ چپ رہی پھر دوبارہ اس کا چہرہ دیکھا۔
”اگر میں کہوں کہ میں آپ کی کار چلاؤں تو کیا آپ مجھے اجازت دیں گے؟“
”آپ کو ڈرائیونگ آتی ہے؟“
”سیکھی تو تھی۔“
”ٹھیک ہے۔“ وہ مسکرایا تو عیشہ حیرت سے رک گئی۔
”واقعی۔“

”اس میں حیران ہونے والی کون سی بات ہے، مجھ سمیت میری ہر چیز پر آپ کا حق ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا جبکہ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی۔
”آفاق.....“ اس کی پکار پر وہ حیران ہو کر مڑا۔
”آپ مجھے تم کہا کریں آپ بہت عجیب لگتا ہے۔“
آفاق نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔ کیا اس کی محبت نے اس کے دل پر پہلی دستک دے دی ہے؟ وہ ایک بار پھر اس کے ساتھ چلنے لگی۔ عیشہ نے چور نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بمشکل اس کے کندھے تک پہنچ رہی تھی جبکہ بلیک لیڈر کے سیلپر میں نظر آتے پاؤں اس کے ہم قدم تھے۔ سیاہ ٹی شرٹ سے جھانکتا بازو اور یہ ہاتھ اس کا دل چاہا وہ اس ہاتھ کو تھام لے۔ دل کی فرمائش پر وہ گھبرا کر رک گئی۔

”کیا ہوا؟“ آفاق نے رک کر اسے دیکھا۔
”کچھ نہیں۔“ وہ تیزی سے اندر بڑھی۔ پہلے تو وہ حیران ہوا اور پھر اس کے چہرے پر بہت خوبصورت مسکراہٹ نے جگہ بنالی۔



”باجی! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟“ عیشہ نے گہرا سانس لے کر آنکھیں کھول دیں اور پاس بیٹھی جیبہ کو دیکھا جو متفکر چہرہ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔
”میں جب بھی آتی ہوں جیبہ! تم ایک ہی سوال بار بار کرتی ہو، تمہیں کیوں شک ہے کہ میں ٹھیک نہیں۔“ وہ اب جھنجھلا گئی تھی۔
”آفاق بھائی ٹھیک ہیں؟“
”بالکل ٹھیک ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولی۔
”آپ کے ساتھ ٹھیک ہیں؟“

اس نے لمبی سانس لی۔ تب ہی فرحت اندر داخل ہوئیں تو حبیبہ کا مزید سوال پوچھنے کا ارادہ ملتوی ہو گیا۔
”عیشہ! کیا پکاؤں تمہارے لیے۔“

”کچھ بھی پکالیں میں مہمان تھوڑی ہوں۔“

”تم تو نہیں ہو مگر آفاق بھی تو کھانا کھائے گا۔“

”میں آج یہیں رہوں گی، ہو سکتا ہے آفاق نہ آئیں۔“

آفاق کو اندر آتا دیکھ کر فرحت حیران ہوئیں پھر مسکرا کر بولیں۔

”بیٹھو بیٹا!“ آفاق نے حیرت سے کارپٹ پر بیٹھی عیشہ کو دیکھا جو سر صوفے پر رکھے شاید سو رہی تھی۔ فرحت نے افسوس سے عیشہ کا حلیہ دیکھا۔

”عیشہ۔۔۔“ انہوں نے اسے اٹھانا چاہا۔

”رہنے دیں آنٹی!“ غنودگی میں اسے آفاق کی آواز کا گمان ہوا۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور آفاق کو دیکھ کر ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی۔ پاس رکھی تیل کی شیشی الٹ گئی۔ اس نے جلدی سے اسے سیدھا کیا جو کارپٹ پر نقش و نگار بنا چکی تھی۔ آفاق زیر لب مسکراتے ہوئے اس کی بو کھلا ہٹ دیکھ رہا تھا۔

”آپ کب آئے؟“

”ابھی ابھی۔“ وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

”آنٹی! انکل کہاں ہیں؟“ آفاق نے فرحت سے پوچھا۔

پوچھا۔

”اپنے کمرے میں تھے میں دیکھتی ہوں۔“

اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود باہر نکل گئیں۔ عیشہ نے گھڑی کی طرف دیکھا، جہاں رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ کچھ حیران ہو کر آفاق کو دیکھنے لگی جو بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نیلی قمیض و کالی شلوار، دوپٹے سے بے نیاز، تیل سے تر بالوں اور آنکھوں میں غیند کا خمار لیے وہ اسے بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ اس کی مسلسل خود پر جمی نظروں سے اسے اچانک اپنے حلیے کا احساس ہوا۔

اس نے فوراً ”جھک کر نشن پر سے حبیبہ کا پیلا دوپٹہ اٹھا لیا۔ کالے نیلے پیلے کامبینیشن کو دیکھ کر آفاق کی ہنسی بے قابو ہوئی تھی جبکہ اس کا شرم سے سر ہونٹا ہوا چہرہ اب کھسکا ہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

”آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔“ عیشہ نے غصے سے اسے دیکھا۔ یہ خدشہ بھی اسے آج ہی لاحق ہوا تھا۔

”آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔“ عیشہ نے غصے سے اسے دیکھا۔ یہ خدشہ بھی اسے آج ہی لاحق ہوا تھا۔

”آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔“ عیشہ نے غصے سے اسے دیکھا۔ یہ خدشہ بھی اسے آج ہی لاحق ہوا تھا۔

”جی۔۔۔“ وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔
”دراصل مئی کو تم سے کام تھا تو انہوں نے کہا، تمہیں لے آؤں۔“ اس کے بہانے پر وہ تلملما کر رہ گئی۔

”جاؤ عیشہ! ہو سکتا ہے ان کو ضروری کام ہو۔“

اسے مزید بحث کے موڈ میں دیکھ کر فرحت نے بھی ٹوک دیا تو وہ پیر پٹختے ہوئے کمرے میں آگئی۔ جب وہ کپڑے بدل کر آئی تو وہ گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

”میں صبح آپ سے کہہ کر آئی تھی کہ میں آج رہوں گی پھر۔۔۔“ وہ بیٹھتے ہی غصے سے بولی۔

”ہاں کہا تو تھا، پر مجھے تمہارے بغیر رات کو غیند نہیں آتی۔“ وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے سامنے دیکھ رہا تھا۔

”میں کیا رات کو۔۔۔“ آدھا جملہ بول کر اس نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا لیکن اس نے آدھے جملے کا بھی مزہ لیا تھا۔

”رات کو کیا؟“

”لوریاں سناتی ہوں۔“ اس کے جلے ہوئے انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

”لیکن تمہاری موجودگی میرے لیے کسی لوری سے کم نہیں ہوتی۔“

”ہو نہ۔“ وہ سر جھٹک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”چلو ذر کرتے ہیں صبح سے میں نے کچھ نہیں کھایا۔“ ریسٹورنٹ دیکھ کر اس نے گاڑی روک دی۔

”میں اس جلسے میں باہر نہیں جاؤں گی۔“ اس نے اپنے تیل سے بھرے سر کی طرف اشارہ کیا تو وہ گاڑی سے باہر اتر گیا۔

”آؤ۔“ وہ اس کی سائیڈ کا دروازہ کھول کے کھڑا تھا۔

”پلیز آفاق! لوگ کیا کہیں گے۔“

”کہیں گے کتنی خوبصورت لڑکی ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا تو وہ مجبوراً ”باہر نکل آئی۔“

”انکل کہہ رہے تھے میں وہاب کو دوبارہ جاب پر رکھ لوں۔“ کھانے کے دوران اس نے دوبارہ وہی موضوع چھیڑ دیا۔ اس نے ناگواری سے سر جھکا لیا۔

”جب تمہارا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں تو غصہ کیوں؟“

”آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔“ عیشہ نے غصے سے اسے دیکھا۔ یہ خدشہ بھی اسے آج ہی لاحق ہوا تھا۔

”واٹ؟“ وہ حیران رہ گیا۔

”میں کیوں تم پر شک کروں گا؟ وہ بھی وہاب کے حوالے سے جبکہ میں جانتا ہوں تم میری بیوی ہو۔“ وہ رک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”تم نے مجھے اتنا گھٹیا سمجھ رکھا ہے۔“ اچانک وہ چپ ہو گیا تو اس نے ہمت کر کے سر اٹھایا، وہ خاموشی سے چاولوں میں پیچ گھما رہا تھا اور پہلی بار اسے تکلیف میں دیکھ کر اسے اچھا نہیں لگا۔

”آئی ایم سوری آفاق!“ اس کا لہجہ کافی نادم تھا۔ آفاق اسے روہانہ دیکھ کر مسکرا دیا۔

”آئندہ ایسا مت کہنا، میں کبھی تم پر شک نہیں کر سکتا۔ میں صرف تمہیں معاف کرنے کو کہہ رہا ہوں کیونکہ اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ عیشہ کچھ دیر اس کا مہربان چہرہ دیکھتی رہی پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا لیا۔

”تم دماغ سے بہت سوچتی ہو، کبھی کبھی دل کو بھی بولنے کا موقع دیا کرو۔“ وہ شرارت سے بولا تو اس کی بات سمجھ کر بھی بے نیازی سے بولی۔

”میں دل کو زیادہ لفٹ نہیں کرواتی، لفٹ کروانے کی دیر ہوتی ہے۔ یہ تو سرچڑھ کر بولنے لگتا ہے، اس لیے میں ہمیشہ دماغ کی سنتی ہوں۔“ آفاق نے ابرو اچکائے جیسے اس کے خیالات سن کر متاثر ہوا ہو۔

”پھر تو تم بہت لگی ہو جو دل پر تمہیں قابو ہے۔ میرا دل تو بہت خود سر ہے۔ ہمیشہ اپنی کرتا ہے لیکن اس کے باوجود میں دل کی بات مان کر بہت پرسکون رہتا ہوں۔ تم بھی کبھی اس کی بات سن کر دیکھو، بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔“ وہ اس کے گہرے انداز پر ایک نظر اسے دیکھ کر ارد گرد بیٹھے لوگوں کو دیکھنے لگی۔

”پتا نہیں، آپ کے مسئلے حل ہوتے ہوں گے، میں تو دل کے ہاتھوں پریشان ہو گئی۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی۔

”میں وہاب کو دوسری برانچ میں اپائنٹ کروں گا کیونکہ انکل آئی نے مجھ سے بات کی ہے تو میں انہیں منع نہیں

”کیا میں اپنے دل کو اس شخص کا ہونے سے روک سکتی ہوں؟“ وہ انداز میں خاموشی میں جھک کر رہ گیا۔

”دھڑک کر کچھ کہہ رہا تھا۔“

”میرے بارے میں سوچ رہی ہو۔“ اس کے زیر لب مسکرانے پر اس نے گھبرا کر سر لفی میں ہلایا۔

”اچھا، دراصل تمہارے چہرے پر میرا عکس کافی واضح نظر آ رہا تھا۔“ عیشہ کا ہاتھ بے اختیار اپنے چہرے کی طرف بڑھا جیسے وہ اسے چھپانا چاہ رہی ہو۔ اس کے فہمے پر اسے اپنی حرکت کا احساس ہوا تو وہ مزید نزوس ہو گئی۔

”بہت برے انسان ہیں آپ۔“ وہ غصے سے کھڑی ہوئی۔

”بالکل نئی اطلاع ہے میرے لیے۔“ وہ پیسے ٹیبل پر رکھ کر اس کے پیچھے لپکا۔



”آئی! مجھے ذرا بازار تک جانا تھا۔“

”ہاں بیٹا! لیکن ڈرائیور تو مارکیٹ تک گیا ہے۔“

”میں آفاق کی گاڑی میں جا رہی ہوں۔“ اسے مسلسل

نظر انداز کرتی صومیہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”وہ صبح مجھے چالی دے گئے تھے۔“ اس نے مسکراتی

نظروں سے صومیہ کا حیران پریشان چہرہ دیکھا۔

”میں جاؤں؟“

”ہاں۔“ اس کے اجازت طلب کرنے پر اپنی حیرت کو

پس پشت ڈال کر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ گنگناتے

ہوئے بڑی احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ آفاق کو

سوچتے ہوئے اس کے ہونٹ خود بخود مسکرانے لگے۔

”آپ کو اندازہ ہے، آپ کتنی خوبصورت ہیں۔“ بہت

قریب سے یہ آواز سنائی دی تو اسٹیمرنگ پر اس کی گرفت

ڈھیلی پڑنے لگی۔

تب ہی سائیڈ سے نکلتی کار کو دیکھ کر وہ بوکھلا گئی اور

رائٹ ٹرن کرنے کی کوشش میں گاڑی ایک موٹر بائیک

سے ٹکرا کر دیوار سے جا لگی اور اس کا سانس رک سا گیا۔

کافی لوگ گاڑی کے گرد اکٹھے ہونے لگے جبکہ کچھ اس

بائیک کے سوار کو دیکھ رہے تھے، وہ حواس یکجا کرتے ہوئے

باہر نکلی۔ گاڑی کا پمپریڈ لائٹ ٹوٹ گئے تھے جبکہ دائیں

طرف سے کافی حصے میں ڈینٹ بھی پڑ گیا تھا۔

”گاڑی میں بیٹھ کر آپ لوگوں کو نظر آنا بند ہو جاتا

ہے۔“ موٹر بائیک کا سوار شخص اس کے سر پر کھڑا ہو کر

گرجا تو وہ پریشانی سے اس کی پیشانی پر لگے زخم کو دیکھنے

لگی۔ لوگوں کا بڑھتا ہجوم دیکھ کر وہ سخت نزوس ہو رہی

تھی۔ پولیس اسٹیشن کا نام سن کر اس کے آنسو نکل آئے۔ وہ جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھی۔ موبائل نکال کر اس نے آفاق کا سیل نمبر ملایا، وہ آف تھا۔ اس کے روم کا نمبر بھی بڑی تھا۔ اس نے حسن کو فون کیا۔

”حسن بھائی! آفاق کا موبائل کیوں آف ہے؟“ اس نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”خیریت بھائی! وہ میرے ساتھ ہے۔“ وہ کچھ پریشان ہو کر بولا۔

”انہیں فون دیں۔“

”ہیلو عیشہ! کیا ہوا؟“ وہ حیران ہونے سے زیادہ پریشان ہوا تھا۔

”آفاق۔“ وہ ایک دم رونے لگی۔

”کیا ہوا عیشہ!“

”گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔“

”تم ٹھیک تو ہو۔“ وہ گھبرا گیا۔

”آپ یہاں آجائیں۔“ اسے ایڈریس بتا کر اس نے فون بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد گاڑی سے نکلے آفاق اور حسن کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

”تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟“ آفاق تیزی سے اس کے قریب آیا اور بے چینی سے اس کا جائزہ لیا۔ اس نے روتے ہوئے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

”تم ایسا کرو بھائی کو لے جاؤ میں یہ معاملہ نمٹا کر آتا ہوں۔“ عیشہ کی گھبرائی ہوئی شکل اور کافی تعداد میں کھڑے لوگوں کو دیکھ کر حسن نے آفاق سے کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر گاڑی کی طرف آ گیا۔

”بس اب آرام سے لیٹ جاؤ۔“ اسے بیڈ پر بیٹھا دیکھ کر وہ خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔ لیکن وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ جب کہ رکے ہوئے آنسو پھر بننے لگے۔

”عیشہ ایسے کیوں رو رہی ہو؟ کہیں چوٹ لگی ہے تو مجھے بتاؤ۔“ وہ پریشانی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”آپ کی گاڑی۔“ اس کا دماغ وہی اٹکا ہوا تھا۔

”گاڑی تم سے زیادہ تو نہیں ہے میرے لیے یہی بہت ہے کہ تم ٹھیک ہو۔“ گاڑی ٹھیک بھی ہو سکتی ہے، نئی بھی

اس کی ہے لیکن اگر تمہیں کچھ ہو جائے تو میں نئی عیشہ کہاں لے آتا۔“ وہ آخر میں شرارت سے بولا تو اس کے انسوؤں میں مزید روائی آئی۔

میں نے یہ سب جان کر نہیں کیا آفاق! وہ صرف

ایک لمحے کے لیے حیران ہوا تھا۔ پھر اس کے گرد اپنے بازو پھیلا لیے۔

”میں جانتا ہوں عیشہ!“ دروازے پر ہونے والی دستک پر عیشہ نے اپنا سر اس کے کندھے سے اٹھالیا تو وہ ایک نظر اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے کھڑے حسن کو اس نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تو وہ بو کھلا کر رہ گیا۔ اس کے پیچھے گھبرائی ہوئی زریں اور سرخ چہرہ لیے صومیہ بھی اندر داخل ہوئے۔

”اب کیسی طبیعت ہے بھائی؟“ حسن کے پوچھنے پر اس نے سنبھل کر اثبات میں سر ہلایا۔

”تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟“ زریں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا تو اس نے مسکرا کر سر نفی میں ہلا دیا۔ آفاق کے سیل پر بیپ ہوئی تو سب اسے دیکھنے لگے۔

”آ رہا ہوں۔“ وہ سیل فون بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”اب تمہیں کہیں بھی اکیلے جانے کی ضرورت نہیں۔“ ڈرائیور کے ساتھ جانا، ورنہ مجھے کل کر لیا کرو۔ لیکن اکیلے بالکل نہیں۔“ اس کے انداز پر حسن قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تو وہ مسکراتے ہوئے واپس مڑ گیا۔ جب کہ اس کی نظریں ان قدموں پر جا رہی تھیں جن کے نشان وہ قالین کی بجائے کہیں اور ثبت ہوتے محسوس کر رہی تھی۔ اس کے نکلنے ہی وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔



کمرے میں داخل ہوتے ہی آفاق کے منہ پر فوم نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا ٹالی باندھ رہا تھا۔

”آئی کہہ رہی ہیں۔ حسن بھائی کا فون آیا ہے، وہ لوگ آدھے گھنٹے میں پہنچ جائیں گے۔ آپ صومیہ کو بیوی پارلر سے لے آئیں۔“

”ڈرائیور نہیں گیا؟“ وہ بیگرے کوٹ اتارتے ہوئے بولا۔

”کسی کام سے گیا ہے۔“

”تم تیار نہیں ہو میں؟“

”جی بس جا رہی ہوں۔“ وہ ڈھیلے قدموں سے چلتی ہوئی اندر آ گئی۔

میں کھلے بالوں کے ساتھ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ لیکن اس کے بار بار دیکھنے کی وجہ اس کی نظریں تھیں۔ جنہوں نے اسے عجیب سے احساس میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی نظریں اس پر سے ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ ”کھانا کھایا تم نے؟“ وہ کرسی تھپیٹ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

”جی۔“ اس نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر نظریں چرا لیں۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ اسے اٹھتا دیکھ کر وہ بے ساختہ بولا۔

”آئی کے پاس۔“ عجیب کتریا ہوا انداز تھا۔ آفاق نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”تم مجھ سے بھاگ کیوں رہی ہو؟“

”نہیں تو.....“ وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔

”تو پھر بیٹھ جاؤ۔“ اس نے دوبارہ اسے کرسی پر بٹھادیا۔ اور خود اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا جبکہ وہ گم صم سی اس کے ہاتھوں کی گرفت میں اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے بعد سارا وقت وہ بے چین رہی اور اپنے کمرے تک آتے آتے وہ بالکل نڈھال ہو چکی تھی۔ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر وہ غور سے اپنا چہرہ دیکھنے لگی۔

”تم ٹھیک تو ہو عیشہ!“ دروازہ بند ہونے پر اس نے سر اٹھایا۔ اپنے پیچھے نظر آتے آفاق کے عکس پر اس کی نظریں جم گئیں یہاں تک کہ وہ اس کے بالکل پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔ ان نظروں کا رنگ آج بہت مختلف تھا۔ شاید یہ رنگ اس کی اپنی نظروں کی وجہ سے تھے۔

”یہ شخص تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ اس کی محبت پر تمہارا حق ہے۔“ دل نے نرمی سے سمجھایا، جب کہ اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو اسے اپنے حصار میں لے رہی تھی۔ ان آنکھوں میں اس کے لیے اتنی شدتیں تھیں کہ اس کا دل ان پناہوں میں جانے کے لیے بے قرار ہو گیا۔ اس نے بے اختیار اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ اپنے گرد پھیلے پیار بھرے حصار کو وہ پوری طرح محسوس کر سکتی تھی۔

اچانک ہونے والی سیل فون کی بلب پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی اور اس حصار کو توڑ کر پیچھے ہٹی۔ آفاق نے موبائل کوٹ کی جیب سے نکالا۔ اسکرین پر حسن کا نمبر دیکھ کر اس نے

”یہ اچھا لگے گا۔“ وہ غائب دماغی سے اینگریٹ پلٹ کر رہی تھی۔ جب آفاق کی آواز پر اس کا ہاتھ رک گیا۔ وہ میروں سوٹ نکال کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی غائب دماغی دیکھ کر وہ اس کے قریب آ گیا۔ خوشبو اس کے حواسوں سے ٹکرائی تو وہ چونک کر سنبھلی۔

”میں کتنے دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ تم بہت چپ چاپ رہنے لگی ہو۔ جہاں میں ہوتا ہوں وہاں سے چلی جاتی ہو۔ مجھ سے ناراض ہو؟“ اس کے پیار بھرے انداز پر بڑی مشکل سے اس نے خود کو کمزور پڑنے سے روکا۔

”پھر کسی نے کچھ کہا ہے؟“ وہ اس کا چہرہ بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے سرٹفی میں ہلا کر جھکا لیا تھا۔

”دیر ہو رہی ہے آپ صومیہ کو لے آئیں۔“ وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف مڑ کر چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔ وہ کچھ دیر آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھتا رہا۔

”تم بھی تیار ہو جاؤ۔“ اس کے سر ہلانے پر وہ باہر نکل گیا تو وہ ایک دم سیدھی ہوئی۔ ہر طرف وہی خوشبو پھیل رہی تھی۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگالی۔

آج صومیہ کی منگنی تھی۔ حسن کے بھائی پرویز سے۔ وہ بہت حیران ہوئی تھی کہ وہاں کی بجائے پرویز اور حیرت کا دوسرا جھٹکا اسے پرویز کو دیکھ کر لگا۔ جو عام سی شکل و صورت کا تھا۔ وہ اپنی حیرت کے باوجود کچھ پوچھ نہیں سکی۔ صومیہ بار بار کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی اور وہ اس کی نظریں محسوس کر کے بھی خاموش تھی۔ وہ اپنی کیفیت سے پریشان تھی۔ اسے لگتا تھا آفاق اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو رہا ہے۔ ہر گزرتا دن اسے اس کی طرف کھینچ رہا تھا۔ اسے خود سے ڈر لگنے لگا تھا۔ وہ کمزور پڑ رہی تھی۔

”عیشہ!“

”جی۔“ زریں کی آواز پر وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ ”تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟“ انہوں نے حیرت سے اس کا حلیہ دیکھا۔

”جی بس جا رہی تھی۔“ وہ جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

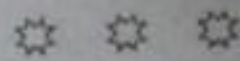
نظر ڈال رہا تھا۔ جو اس کے پسند کیے ہوئے میروں سوٹ

برائے اختیار دانت پیسے۔

”ہمیشہ غلط وقت پر انٹری دیتا ہے۔“ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس نے فون بند کر کے عیشہ کا چہرہ دیکھا جو سپاٹ ہو چکا تھا۔

”عیشہ“ وہ اس کی طرف بڑھا لیکن وہ تیزی سے اس کے پیلو سے نکلتی ہوئی واش روم میں داخل ہو گئی۔ اس کا پورا چہرہ جل رہا تھا۔ آنسو بہتے چلے گئے۔ جب وہ منہ دھو کر باہر نکلی تو آنکھوں کے ساتھ پورا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا۔

”تم کس کو سزا دے رہی ہو عیشہ! مجھے یا خود کو؟“ آفاق کی بجھی ہوئی آواز پر چادر ٹھیک کرتا اس کا ہاتھ ایک لمحے کو رکھا۔ لیکن پھر اسے دیکھے بغیر اس نے چادر منہ پر لے لی۔ جب کہ وہ کتنی دیر تک صوفے کو دیکھتا رہا۔



”آپ نے مجھے بلایا تھا۔“ عیشہ نے فرحت کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔ چہرہ کیوں اتنا اترا ہوا ہے؟“ فرحت نے تشویش سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”میں ٹھیک ہوں“ آپ بتائیے۔“ وہ قدرے مسکرا کر بولی۔

”دراصل کل تمہارے تایا اور تائی آئے تھے وہاب کے لیے۔“ وہ رک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ ”جبیبہ کا رشتہ لے کر۔“ عیشہ نے ابرو اچکا کر انہیں دیکھا۔ وہ اس کے رد عمل کا انتظار کر رہی تھیں۔ لیکن اس نے آنکھیں بند کر کے صوفے سے ٹیک لگالی۔

”تم کچھ کہو گی نہیں؟“ وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

”میں کیا کہوں جو آپ کو مناسب لگے۔ ویسے جبیبہ سے ضرور پوچھ لیں۔“ فرحت کتنی دیر حیرت سے اسے دیکھتی رہیں۔ ان کا خیال تھا وہ طوفان اٹھادے گی۔

”جبیبہ سے پوچھا تھا، لیکن وہ کچھ بولتی ہی نہیں۔ شاید تمہاری وجہ سے قنبح کر رہی ہے۔“

”میری وجہ سے؟ کیوں؟“ اس کے لیک دم آنکھیں کھول دیں۔

”پھر مجھے سمجھانے پر مجبور کیا۔“

”میں بات کروں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔“ وہ

اطمینان سے مسکرائی تو وہ حیران ہوتے ہوئے کچن میں چلی گئیں۔ جب کہ وہ ایک بار پھر آفاق کو سوچنے لگی۔

ڈور بیل کی آواز پر فرحت باہر نکلیں تو اس نے آنکھیں کھول دیں اندر آتے وہاب کو دیکھ کر اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ وہاں کوئی احساس نہیں تھا۔ وہ گہرا سانس لے کر سیدھی ہو گئی۔

”چلو وہاب! آج تم سے نفرت کا رشتہ بھی ختم ہوا۔“ وہ جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی۔ اس کی مسکراہٹ نے وہاب کے ساتھ فرحت کو بھی اچھے میں ڈال دیا۔

”تمہارے چاچو سو رہے ہیں، تم بیٹھو میں آتی ہوں۔“ فرحت اسے بیٹھنے کا کہہ کر خود کچن میں چلی گئیں۔

”کیسی ہو؟“

”اللہ کا شکر ہے۔“

”میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ آفاق سر نے مجھے دوسری برانچ میں اپائنٹ کر لیا ہے۔“

”اس فارمیسی کی ضرورت نہیں، بلکہ مجھے اپنی حرکت پر افسوس ہے۔“

”تم مجھ سے ناراض ہو؟“ وہاب اس کی طرف دیکھ رہا تھا جو بہت مختلف لگ رہی تھی۔

”نہیں۔“

”تمہیں مجھ پر کوئی غصہ نہیں؟“ وہ حیران ہوا۔

”تھا، پر اب نہیں۔ کیونکہ جو تم نے کیا اس میں تمہارا بھی قصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا چاہتے تھے کیونکہ یہ تو پہلے دن سے طے تھا کہ آفاق میرا نصیب ہیں۔ لیکن وجہ تم اور صومیہ بنے۔ اچھا ہوا جو ہوا۔ خیر چھوڑو امی بتا رہی تھیں کہ تایا ابو اور تائی امی آئے تھے۔“ وہاب نظریں چرانے لگا۔

”امی ابو چاہتے ہیں جب کہ میں خود کوئی فیصلہ نہیں کر پایا، میں شاید تمہیں نہیں بھول سکتا۔“ وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

”کیا تم مجھے بھول سکتی ہو؟“ وہاب کے لمبے پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ جسے وہ کوئی نام نہ دے سکا۔

”تم غلط سوچ رہے ہو۔ ہاں پہلے مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔ ظاہری بات ہے اتنے سال ہماری بات رہی انیت ہو ہی جاتی ہے۔ لیکن وہ صرف انیت تھی تم نے ہی کہا تھا کہ ہم

بہنیں ایک نکتے پر متفق نہیں ہوئے۔ وہ اس لیے کہ ہم میں محبت نہیں تھی۔ ورنہ تم بھی کمزور نہ پڑتے۔ اور نہ ہی

آج میں خوش ہوتی۔ محبت کیا ہوتی ہے یہ میں نے آفاق سے سیکھا ہے۔ تم اکثر کہا کرتے تھے جس محبت کی شدت کی میں متقاضی ہوں وہ اب بس افسانوی باتیں بن کر رہ گئی ہیں۔ حالانکہ افسانہ بھی تو حقیقت کے پہلو سے جنم لیتا ہے۔ تمہاری سوچ غلط تھی وہ اب ایسی محبت اب بھی ہوتی ہے۔ آفاق نے مجھ سے ویسی ہی محبت کی ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ محبت دی ہے جو میری سوچوں میں تھی۔ اس کے چہرے پر اتنے خوبصورت رنگ تھے کہ اس کا وجود جل اٹھا۔ عیشہ نے چونک کر اس کا ضبط کے مارے سرخ بڑا چہرہ دیکھا۔

”اگر تمہارے دل میں کوئی جذبہ ہے تو بھول جاؤ۔ صرف اتنا یاد رکھو کہ میں نے تم سے کبھی محبت نہیں کی۔ صرف ایک شخص سے محبت کی ہے جس کا نام آفاق ہے اور اسی سے کرنی رہوں گی۔“ وہ بہت مضبوط لہجے میں بولی۔

”اور ہاں حبیبہ بہت اچھی ہے۔ گھر بنانا جانتی ہے۔ تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم بھی اس سے مخلص رہو اور اس بار کسی بھی صومیہ کے لیے حبیبہ کو نہ کھوٹا۔“

بات کے اختتام پر اس نے ایک گہری نظر وہاب کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر ڈالی جہاں کچھ کھونے کا احساس بہت نمایاں تھا۔ وہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔



اپ اسٹک لگاتے ہوئے اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ اس نے تیزی سے ہاتھ چلانے شروع کر دیے۔

بالوں میں برش کر کے اس نے انہیں کھلا چھوڑ دیا۔ کیونکہ آفاق کو اس کے کھلے بال پسند تھے۔ آج شادی کے گیارہ ماہ بعد وہ دل سے تیار ہوئی تھی صرف آفاق کے لیے۔

باہر بجنے والی بیل پر اس کا دل دھڑک اٹھا۔ دوپٹہ لیتے ہوئے وہ باہر آگئی۔ وہ حبیبہ سے باتیں کرتے ہوئے اندر آئی۔ اس نے نظر اٹھا کر اس کی حیرت کو دیکھا۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں حبیبہ نے بھی دیکھا۔ ان دونوں کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اندر آگئی۔ وہ چائے لے کر آئی منظور صاحبہ آفاق کو حبیبہ اور وہاب کی

منگنی کا بتا رہے تھے۔ حبیبہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا لیکن وہ بڑے ملن سے انداز میں چائے پی رہی تھی۔

”اچھا انکل! اجازت۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے مسکرا کر عیشہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

”باجی آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔“ حبیبہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے بڑے پار سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”جانتی ہوں تمہارے آفاق بھائی کی نظرس بتا رہی تھیں۔“ اس کے کھلکھلاانے پر حبیبہ نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔

”اب تم بھی اچھے بچوں کی طرح ہاں کر دو اور امی کو زیادہ تنگ نہ کرو۔“ حبیبہ کا چہرہ رونے والا ہو گیا۔

”پاگل ہو تم حبیبہ! اگر تمہیں میری ناراضی کا ڈر ہے تو یہ ڈر دل سے نکال دو۔ میرے دل میں وہاب کے لیے کوئی جذبہ نہیں۔ ہاں لیکن تمہارے حوالے سے قابل احترام رہے گا۔ وہ ایک بار ٹھوکر کھا چکا ہے۔ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔ اور مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔“ حبیبہ کا سرخی مائل چہرہ دیکھ کر وہ ہنسنے لگی۔

”اب کوئی فضول سوچ نہ پالنا“ اللہ تعالیٰ نے وہاب کو تمہارے نصیب میں لکھا تھا۔“ حبیبہ کا گال تھپتھپا کر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

”آپ آفاق بھائی کے ساتھ خوش ہیں؟“

”بے حد۔“ اس کے یقین انداز پر حبیبہ کے دل میں انکی آخری پھانس بھی نکل گئی۔

”میرا خیال تھا تم پھر غصہ کرو گی کہ میں کیوں آگیا۔“

گاڑی چلاتے ہوئے آفاق نے اسے دیکھا۔

”مجھے پتا تھا غصہ کرنے کا فائدہ کوئی نہیں۔“ اس کی بات پر وہ ہنس پڑی۔

”آج بہت خوش لگ رہی ہو کیا اس کی وجہ حبیبہ کی منگنی ہے؟“

”ایک وجہ یہ بھی ہے۔“ وہ مسکرائی۔

”اور دوسری؟“ وہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ جو جواب دینے کی بجائے اپنے دوپٹے پر لگے موتیوں پر ہاتھ پھیرنے لگی تھی۔

”آج میرا دل چاہ رہا ہے تمہیں اتنی دور لے جاؤں

جہاں کوئی نہ ہو۔" عیشہ نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔ جہاں شرارت بکھری تھی۔
 "ایسی جگہ اب تو کہیں نہیں۔" وہ بھی شرارت سے بولی۔

"ایک جگہ ہے جہاں صرف میری محبتیں ہیں، چاہتیں ہیں، تم ہو، میں ہوں اور کوئی نہیں وہاں چلو گی؟" آفاق کے گمبیسہ رعبے پر اس کا چہرہ رنگ بدلنے لگا۔

"آپ لے جائیں گے تو ضرور چلوں گی۔" اس کے کہنے کی دیر تھی گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔ آفاق نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا۔ جہاں صرف اس کا عکس تھا۔ آج وہ اسے حیران کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"کبھی کبھی میں تمہیں سمجھ نہیں پاتا۔" آفاق کے لہجے میں الجھن محسوس کر کے وہ زور سے ہنس پڑی۔

"گاڑی چلا میں۔" اسے گھورتا دیکھ کر اس نے بمشکل اپنی ہنسی کو قابو میں کیا۔ تو وہ مسکراتا ہوا گاڑی اشارت کرنے لگا۔

"ارے۔" زریں نے خوشگوار حیرت سے اس کے بچے ہوئے روپ کو دیکھا۔

"اکیلی آئی ہو؟" انہوں نے اسے ساتھ لپٹاتے ہوئے پوچھا۔

"آفاق کے ساتھ آئی ہوں۔"

"کہاں ہے وہ؟" انہوں نے اس کے پیچھے دیکھا۔

"کہہ رہے تھے ابھی آتا ہوں۔"

"اچھا ہوا تم لوگ آگئے، میں اپنے کمرے میں جانے والی تھی، یہ پیرز حسن دے کر گیا ہے۔ آفاق کو دے دینا۔" اس نے مسکراتے ہوئے وہ کاغذ تھام لیے۔

"تمہارے ڈرامے کی ابھی کتنی قسطیں باقی ہیں؟" صومیہ کی تلخ آواز پر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے اس کے قدم رُک گئے۔ وہ ماتھے پر شکنیں لیے اس کی طرف مڑی۔
 "یہ روپ بھی تم نے میرے بھائی کو تکلیف دینے کے لیے بھرا ہو گا۔" صومیہ نے اس کے چہرے اور کپڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

"کتنی پتھر ہو تمہیں۔" وہ ایک غلطی کی تھی تم بار بار غلطی کر رہی ہو۔

"میں تم سے کوئی بات نہیں چاہتی۔" وہ غصے سے پٹی۔

"جو تم۔"

چاہتی تھیں وہ سب ہو رہا ہے۔ یہ جو کاغذ ہیں نا تمہارے ہاتھ میں۔ جانتی ہو کسی چیز کے ہیں۔ "عیشہ نے حیرت سے ان کاغذات کو دیکھا۔

"بھائی نے فیکٹری اور فلیٹ، جو ان کا تھا تمہارے نام کر دیا ہے۔" عیشہ کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"میں نہیں جانتی اس دن بھائی نے میری بات سن لی تھی۔ یا تم نے میری شکایت کی، لیکن اس سب کے پیچھے کوئی وجہ تو ضرور ہے۔ اب اور کیا باقی ہے۔ عیشہ میرے بھائی کو مجھ سے دور کر دیا تم نے۔ آج پہلی بار بھائی کو تمہاری وجہ سے میری برتھ ڈے یاد نہیں رہی۔ کیونکہ ان کو بس یہی یاد تھا کہ تمہیں لینے جانا ہے۔" وہ اب رو رہی تھی۔

"تم جیت گئی ہو۔ میں نے تمہارا منگیتر چھینا تھا۔ یقین کرو، مجھے تم اس کی بہت بڑی سزا دے چکی ہو۔ میں تو اس گھڑی کو پچھتا رہی ہوں، جب میں نے وہاں کو دیکھا تھا۔ میرا اب اس سے کوئی واسطہ نہیں میں..... صومیہ ایک دم ساکت ہو گئی۔ خاموش گھڑی عیشہ کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا اس نے مڑ کر دیکھا تو پیچھے ساکت کھڑے آفاق کو دیکھ کر وہ سن سی رہ گئی۔

حقیقت بہت غلط وقت پر سامنے آئی تھی۔ جب سب ٹھیک ہو رہا تھا۔ ان تینوں میں سب سے پہلی حرکت آفاق میں پیدا ہوئی۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا ڈبہ صومیہ کی طرف بڑھا دیا۔ "سالگرہ مبارک ہو۔"

صومیہ کے سر جھکانے پر اس نے ڈبہ صومے پر رکھ دیا۔ اس کے مڑتے ہی عیشہ کی جھکی نظریں بے اختیار صومیہ کی طرف اٹھیں۔ وہ برستی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ تیزی اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی، اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اسے مخاطب کرے۔ اسے کھڑا دیکھ کر آفاق نے خود ہی سراٹھایا۔ اس کی نظریں میں آج بھی اس کے لیے نفرت یا ناراضی نہیں تھی۔ کچھ ایسا لگا کہ اس نے اس کی نظریں جھک گئیں۔

"عیشہ نے جھجکے ہوئے کاغذات اس کی طرف بڑھا دیے۔ "یہ تمہارے لیے ہیں رکھ لو۔" وہ ایک نظر اسے دیکھ کر

کر موبائل پر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ "آپ کچھ کہیں گے نہیں؟"

"کیا کہوں۔" وہ اتنا اسی سے پوچھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں میں پانی بھرنا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بس اتنا کہوں گا کہ جو میں نے سنا اس کو سن کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں سوچ رہا ہوں، میری اتنی محبت تم پر اسی لیے اثر انداز نہیں ہو رہی تھی۔ اسی لیے تمہاری آنکھوں میں مجھے محبت کی جگہ کوئی اور رنگ نظر آتا تھا۔ آج پتہ چلا تمہاری آنکھوں میں وہ احساس نفرت کا تھا اور یہ سوچ کر مجھے پہلی بار خود سے نفرت ہو رہی ہے۔"

عیشہ نے ہونٹ بھیج کر اپنی سسکی کو روکا۔ وہ مزید بات کیے بغیر باہر نکل گیا۔ جب کہ وہ کتنی دیر تک یونہی گھڑی رہی۔

"میں محبت کرتی ہوں آپ سے آفاق! بہت زیادہ۔" کچھ دیر بعد وہ دھیمی آواز میں بولی۔ لیکن سننے والا جاچکا تھا۔ وہ بے دم ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اب کیا ہو گا۔ کیا آفاق مجھے چھوڑ دے گا۔" اس خیال نے اس کے اندر باہر ہلچل مچادی۔

"میں نہیں رہ سکتی آپ کے بغیر۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رونے لگی۔



صبح جب اس کی آنکھ کھلی اس نے بے ساختہ بستر کی طرف دیکھا۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ لیکن بستر کی شکنیں اور اس پر پھیلا ہوا کپڑا ظاہر کر رہے تھے وہ کمرے میں آیا تھا وہ سلیپر پہن کر تیزی سے باہر نکلی۔ لاؤنج میں کوئی نہیں تھا حتیٰ کہ چن میں بھی سناٹا تھا۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جہاں صبح کے سات بج رہے تھے۔ سارا گھر دیکھنے کے بعد جب وہ اسے نہ ملا تو اس کی پریشانی میں حد درجہ اضافہ ہو گیا۔ وہ پورچ کی طرف آئی مگر ساری گاڑیاں موجود تھیں۔ جب ہی لان کے آخری سرے پر اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ وہ اس طرف بڑھنے لگی۔

"مجھے معاف کر دیں بھائی! میں مانتی ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔" صومیہ کی بھرائی ہوئی آواز پر وہ رُک گئی۔

"یہ غلطی نہیں صومیہ! گناہ ہے۔" آفاق کی سنجیدہ آواز پر اس نے دیوار سے ٹیک لگالی۔

”لیکن بھائی عیشہ نے بھی تو غلط کیا ہے۔“

”وہ صرف تمہارے عمل کا ردِ عمل تھا۔“

”آپ مجھے غلط کہہ رہے ہیں؟“ وہ اب زور زور سے رونے لگی تھی۔

”صومیہ! رونا بند کرو۔ تم جانتی ہو تمہارے رونے سے مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔“

”اور آپ بھی جانتے ہیں کہ میں آپ کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتی۔ ساری رات میں ایک منٹ کے لیے نہیں سو سکی۔ میں مانتی ہوں مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں، آپ کو اب کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ بس آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں عیشہ سے بھی معافی مانگ لوں گی۔“

”میں تم سے ناراض تھا لیکن اب نہیں، کیونکہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے۔“ عیشہ نے تھوڑا جھانک کر دیکھا وہ اسے ساتھ لپٹائے اس کا سر تھپک رہا تھا۔

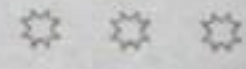
”آپ عیشہ سے بھی ناراض ہیں؟“

”نہیں۔“

”کیوں؟“ صومیہ نے حیرت سے سرائھا۔

”پتا نہیں۔“ عیشہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکی۔ لیکن اس کے لہجے کی بے بسی اس نے واضح طور پر محسوس کی تھی۔ ”وہ گہرا سانس لے کر پیچھے ہٹی۔“

”میں عیشہ سے بہت پیار کرتا ہوں صومیہ! آئندہ اسے ہرٹ کرنے سے پہلے ایک بار یہ ضرور سوچ لینا کہ تمہارے بھائی کے جینے کی وجہ ہے وہ۔“ وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا لیکن مزید سننا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ اس نے ہزار بار خود کو ملامت کی۔ اس نے کیسے اس شخص کی محبت کو کمزور سمجھ لیا، کیسے؟



جب وہ اندر داخل ہوا تو وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے انہیں دیکھ رہی تھی۔ آہٹ پر اس نے سرائھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ آفاق کے دل کو کچھ ہوا وہ اس کی طرف بڑھا لیکن وہ اسے بات کرنے کا موقع دینے کے بغیر روک دیا۔

”رکھ کر خود دروازے کی طرف بڑھی۔“

”عیشہ! آفاق کی آواز بڑھ رہی تھی۔“

”میں جانتا ہوں، تم صومیہ کی وجہ سے ہرٹ ہوئی ہو۔“

لیکن اسے اپنی غلطی کا احساس ہے۔ کیا تم اسے معاف کر دو گی۔ میری خاطر؟“ آفاق اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ تو اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میں صومیہ سے ناراض نہیں ہوں۔“ وہ جواب دے کر باہر نکل آئی۔ جب کہ وہ اس سے خفا تھی۔

”صومیہ سے پیار تھا۔ اسے ڈانٹا بھی ناراض بھی ہوئے جب کہ مجھ سے کچھ پوچھا ہی نہیں۔ معافی بھی مانگنے کا موقع نہیں دیا۔“ اپنے دل میں چور تھا اس لیے ہر بات اسے بری لگ رہی تھی۔ آفاق کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے سلیم کو ناشتا لگانے کو کہا۔

”تم کہاں جا رہی ہو ناشتا۔۔۔۔۔“ آفاق نے حیرت سے اسے باہر نکلتے دیکھا۔

”میرا دل نہیں چاہ رہا۔“ صومیہ نے بے ساختہ اپنے بھائی کو دیکھا جس کا چہرہ بچھ گیا تھا۔

”بھائی ناشتا!“ اسے اٹھتا دیکھ کر وہ بولی۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ اسے باہر نکلتا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

دستک پر اس نے مڑ کر دیکھا جہاں دروازے پر صومیہ کھڑی تھی۔ وہ چلتی ہوئی اس کے مقابل آگئی۔ ”میرا حاتی“

ادارہ خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ

خواتین کا گھریلو (سائیکالوجی)

شائع ہو گیا ہے

خوبصورت سرورق، آفٹ چھپائے، مضبوط جلد،

قیمت 600 روپے

پتا ذیل سے خریدیں

● مکتبہ عمران ڈائجسٹ، اردو بازار کراچی

● احمد نیوز ایجنسی، فریئر مارکیٹ کراچی

● سلطان نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ لاہور

● اشرف بک ایجنسی، راولپنڈی ● مہران نیوز ایجنسی، حیدرآباد

● بندوبست ڈاک مگوانے مکتبہ عمران ڈائجسٹ کراچی

ہوں عیشہ ما میں نے تمہارا دل دکھایا ہے۔ میں نے غلطی کی لیکن میری غلطی کی سزا میرے بھائی کو تو نہ دو۔ وہ تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔

پلیز عیشہ! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ صومیہ کے ہاتھ جوڑنے پر اس نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھامے۔

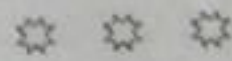
”میں تم سے ناراض نہیں صومیہ! کیونکہ تم آفاق کی بہن ہو اور آفاق سے جڑے ہر رشتے کی میں عزت کرتی ہوں۔“

”صرف عزت کی خاطر معاف کر رہی ہو؟“ اس کی کھوجتی نظریں محسوس کر کے وہ بے اختیار مسکرائی۔

”نہیں اس محبت کی خاطر معاف کر رہی ہوں جو مجھے آفاق سے ہے۔ میں تو نفرت لے کر آئی تھی، لیکن تمہارے بھائی تو سراپا محبت ہیں۔ پھر ان کے ساتھ رہ کر کوئی کیسے ان سے نفرت کر سکتا ہے۔“ صومیہ کتنی ہی دیر اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی۔

”تم بہت اچھی ہو عیشہ! میں وعدہ کرتی ہوں آئندہ تمہیں میری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“ وہ ایک دم اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

”تم بھی مجھے معاف کر دو صومیہ!“ عیشہ نے بھی اسے گلے لگاتے ہوئے کہا تھا۔



لاؤنج کے دروازے تک پہنچ کر وہ رک گئی تھی۔ جب کہ نظریں گیٹ کے پاس کھڑی صومیہ اور زریں پر تھیں جو حسن کی فیملی کو سی آف کر رہے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کب اور کیسے صومیہ اور وہاب ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور کیسے ان دونوں کے راستے الگ ہوئے۔ حالانکہ وہ شروع سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ لیکن چلے۔ کیونکہ ان دونوں کے چلنے سے آفاق اور اس کے راستے ایک ہونے تھے۔ اس نے صومیہ سے پوچھا تھا کہ اس نے وہاب کو کیوں چھوڑا۔ تو اس نے کہا تھا کہ خوبصورتی سب کچھ نہیں ہوتی۔ دوستی کی حد تک ٹھیک ہے، لیکن عادی نہیں۔ کیونکہ عادی اس کی وہ عادی ہے۔ وہاب وہ سب کچھ اسے کبھی نہیں دے سکتا۔ وہاب بھی اس کے پوچھا تھا کہ اس کا بھائی کی اس سے دوستی کر کے ہونٹ لنگ کر سکتی ہے۔ وہ کل کو کسی اور

کے ساتھ بھی جاسکتی ہے۔ جب کہ بیوی کے بارے میں اس کے خیالات بہت مختلف ہیں۔ وہ دونوں اپنے دائروں میں سمٹ گئے تھے۔ شاید نفس کا طوفان جتنی جلدی چڑھتا ہے۔ اتنی ہی جلدی اتر بھی جاتا ہے۔ اس نے سوچا اور پھر سر جھٹکتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

نی وی دیکھتے ہوئے وہ آفاق کو سوچنے لگی۔ ساتھ ہی اسے اپنا صبح کا رویہ اور آفاق کا اتر ہوا چہرہ یاد آیا تو وہ بے چین ہو گئی۔

”آج میں آفاق کو بتا دوں گی کہ میں ان سے کتنا پیار کرتی ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے اپنا چہرہ کشن پر دکا دیا۔ صومیہ گرنے والے انداز میں اس کے قریب صوفے پر بیٹھی تو وہ ہڑبڑا کر رہ گئی۔

”بد تمیز۔“ اس کے ڈرنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”ڈر گئیں؟“

”نہیں بڑا مزہ آیا۔“ وہ منہ بگاڑ کر بولی۔ تو صومیہ نے اسے ساتھ لپٹا لیا۔

اپنے کمرے میں جاتی زریں ایک پل کو ننھک گئیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہنس رہی تھیں۔ ان کے اندر باہر سکون اترنے لگا، وہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

”عیشہ! تم نے مجھے معاف کر دیا نا!“ صومیہ کے درد بھرے انداز پر اس نے بے اختیار دانت پیسے۔

”صبح سے بیس بار تم مجھ سے پوچھ چکی ہو اور بار بار معافی مانگ کر کیوں مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔ اب خدا کا واسطہ ہے تنگ نہ کرو۔ مجھے پہلے ہی بہت غصہ آرہا ہے۔“

”کس پر؟“ صومیہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”تمہارے بھائی پر۔“

”کیوں، میرے بے چارے بھائی نے کیا کیا؟“

”نا تم دیکھ رہی ہو۔ ساڑھے دس بج رہے ہیں۔“

”اچھا تو یہ بات ہے۔“ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

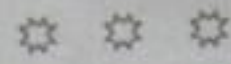
”فون کر کے پتا کر لو۔“

”مجھے کیا ضرورت ہے؟“ وہ لاپرواہی سے بولی۔

”کیا کہتے ہیں؟“ صومیہ کے فون بند کرتے ہی اس نے بے اختیار پوچھا۔

”حسن بھائی کے ساتھ گئے ہیں۔“ اور عیشہ کا موڈ آف ہونے لگا۔

”تمہیں نیند آرہی ہے۔“ اسے جمائی روکتا دیکھ کر صومیہ نے غور سے اس کی سرخ آنکھیں دیکھیں۔
 ”ہاں رات کو بھی ٹھیک طرح سے نہیں سوتی۔“
 ”میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔“ بالآخر رات گیارہ بجے وہ صومیہ سے کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی۔
 ”خود کو سمجھتے کیا ہیں۔“ صوفیہ نے تکیہ اٹھا کر بیڈ پر پٹختے ہوئے وہ غصے سے بڑبڑائی۔ نیند میں گم ہونے سے پہلے وہ اس سے سخت ناراض تھی۔



”تم اب تک سوئیں نہیں۔“ آفاق نے حیرت سے صومیہ کو دیکھا۔ اور پھر گھڑی کو جہاں ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔

”بس جا رہی تھی۔“

”عیشہ سو گئی؟“

”جی، آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ بڑے غصے میں اندر گئی ہے۔“ صومیہ کے شرارتی انداز پر وہ حیران ہوتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ لیکن اندر اس کی حیرت سکتے میں بدل گئی۔ اس نے بڑی مشکل سے پلکیں جھپکیں، لیکن سامنے کے منظر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا۔ وہ خوابیدہ وجود واقعی ایک حقیقت تھا۔ لیکن بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دے اور پوچھے کیا میری سزا ختم ہوئی۔ اور واقعی اگلے بل اس نے اس کا کندھا زور سے بلایا تھا۔ اس کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ آفاق کا چہرہ نظر آتے ہی اسے یاد آیا کہ وہ اس سے ناراض ہے۔ وہ جھنجھکے سے اٹھی۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی آفاق نے اسے بازو سے تھام لیا۔

”سوری مجھے دیر ہو گئی۔“

”اب بھی آنے کی کیا ضرورت تھی۔“ اس کی ناراضی آفاق نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔ اس کی اتنی قربت پر وہ گھبرا کر خود کو چھڑانے لگی۔

”کیا کیا ہے؟“ وہ گھبراہٹ بھول کر غصے سے بولی۔

”شرمندہ کیا جائے۔“ آفاق کی آنکھوں میں حیرت خیز نیند شرمندہ کی سی تھی۔

آپ نے اسے ڈانٹا ناراض ہوئے جبکہ مجھ سے..... آپ کو مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا۔“ اس کے روہانے لہجے پر آفاق نے مسکراتے ہوئے اس کے ہلکے بالوں کو مزید بکھیر دیا۔

”ہاں، صومیہ کی غلطی پر میں ناراض ہوا تھا، ڈانٹا بھی تھا۔ اصولاً مجھے تم سے بھی ناراض ہونا چاہیے تھا، ڈانٹا چاہیے تھا اور میں نے ایسا کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن میں ایسا کر نہیں سکا۔ میں نے سنا تھا پیار اندھا ہوتا ہے لیکن میں نے محسوس کیا ہے عیشہ! تمہارے لیے میرا پیار واقعی اندھا ہے۔“ اور وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ پیار اس کی اتنی شدید محبت اسے نئے سرے سے حیران کرتی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ ساری دنیا کو بتائے۔ میں عیشہ! آفاق دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہوں کیونکہ میرے پاس آفاق تعیم جیسا شخص ہے۔ اس کی محبت پر ان نظروں کا رنگ بدلنے لگا تو اس نے گھبرا کر نظریں ہٹا لیں۔

”بہت برا ہے آپ کا دل۔“

”میرے دل کو برا کہہ کر تم میری عیشہ کی شان میں گستاخی کر رہی ہو۔“ وہ شوخی سے بولا۔
 ”تمہارا دل برا ہے۔“

”جی نہیں، میرا دل آپ کے دل سے زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس میں..... میرے آفاق رہتے ہیں۔“
 اور وہ کتنی دیر تک کچھ بول ہی نہیں سکا۔ وہ جانتا تھا، محبت تو وہ اس سے کب سے کر رہی ہے لیکن آج اس کا اقرار اس کی روح تک کو سرشار کر گیا تھا۔
 ”یہ تمہارے دل نے کیا کیا، تم نے روکا نہیں تھا؟“ اس کے لہجے میں شرارت محسوس کر کے اس کا انداز بھی شرارتی ہو گیا۔

”میں نے تو دل کو روکا تھا لیکن آپ کے ساتھ رہ کر کافی خود سر ہو گیا تھا۔ میرے منع کرنے کے باوجود بھاگا بھاگا آپ کی طرف جاتا تھا۔“ وہ مسکراہٹ دہاتے ہوئے بولی تو وہ قہقہہ لگا کر فس پڑا۔

اور ان دونوں کے ساتھ کمرے کے دروازے پر بھی مسکرانے لگے تھے۔

